حضرت امام اھلسنت علامہ محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم العالیہ کی اپنے لیٹر پیڈ پر زندگی کی آخری تحریر

اوراب جبکہ یہ خط معرض طباعت میں آرہا ہے جسکی حضرتؒ نے وصیت فرمائی تھی، حضرتؒ ہم سے رخصت ہوکر جوارِ رحمت الٰہی تشریف فرما ہیں مگراُن کی تالیفات وتحریریں تمام اھلسنت والجماعت کیلئے باعثِ ہدایت واثاثہ ہیں اللہ تعالی کی ہزاروں برکتیں اومغفرتیں ہوں امام اھلسنت پرجمیع اھلسنت کیطرف سے۔آمین یارب العالمین (ناشرین)



[حضرت مولانا] ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر

خطیب مرکزی جامع مسجد گکھڑ

شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

من ابی الزاہد محمد سرفراز خان صفدر

بندہ عاجز، کمزور، ضعیف، اور بیمار ہونے کی بناء پر بستر پر ہے۔لھذا میری طرف سے عزیزی عبدالحق خان بشیر سلمہ نے مولانا طارق جمیل کے نام مکتوب لکھا ہے۔جس میں اُن سے اُن پر لگائے گئے الزامات کی وضاحت مطلوب ہے۔بندہ نے مکمل خط سُن لیا ہے۔

فقط:

ابوالزاہد محمد سرفراز حسن خان حمزہ

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

مکتوب بنام حضرت مولانا محمد طارق جمیل صاحب مدظلہ

استاذی المکرم ،فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب گورمانی زید مجدھم نے حضرت مولانا محمد طارق جمیل صاحب مدظلہ کے بعض تقریری ودرسی بیانات کو مذہب اہل السنت والجماعت ،مسلک علمائے دیوبند اور تاریخی حقائق وواقعات کے خلاف جانتے ہوئے ان پر خالص علمی انداز میں ایک تفصیلی مضمون تحریر فرمایا جو تقریظ واصلاح کیلئے شیخ مکرم سیدی وسندی ومرشدی ومولائی واستاذی حضرت والد محترم شیخ القرآن والحدیث ،امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔حضرت شیخ مدظلہ نے ضعف ونقاہت کی وجہ سے وہ مضمون احقر کے پاس بھیج دیا۔کہ اسے اچھی طرح دیکھ کر اس پر کچھ تحریر کردو۔اگر مناسب ہو تو وہ تحریر مکتوب کی صورت میں لکھ کر مولانا طارق جمیل صاحب کو ارسال کردی جائے ،تاکہ اتمام حجت بھی ہوجائے۔چنانچہ یہ مکتوب حضرت شیخ مدظلہ کے حکم پر تحریر کیا گیا۔اور اس کا مکمل مضمون حضرت شیخ مدظلہ کو سنایا گیا۔اب ان کے حکم اور اجازت سے مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہ کو ارسال کیا جارہا ہے،اور حقیقتاً یہ استاذی المکرم حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب مدظلہ کے مضمون پر حضرت شیخ مدظلہ کی طرف سے تائید وتقریظ ہے۔

بشیر

عبدالحق خان

ولد امامِ اہل سنت

مولانا سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم

****

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

برادر ذی وقار محترم ومکرم حضرت مولانا محمد طارق جمیل صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ! امید ہے کہ آں محترم جملہ احباب ورفقاء سمیت بخیریت وعافیت ہوں گے۔خدا تعالیٰ آپ کو ہمیشہ اپنی حفاظت وامان میں رکھے اور ہر قسم کے شرور وفتن سے آپکی حفاظت فرمائے۔آمین

محترم ! گذشتہ کئی ماہ سے بعض علمی وعوامی حلقوں کی جانب سے آپ کے خلاف چند فکری ونظریاتی الزامات سامنے آرہے ہیں۔ جن سے ملک بھر کے اندر دینی ومسلکی حلقوں میں شدید قسم کی بے چینی وتشویش پائی جارہی ہے۔اور ناقابل تلافی دعوتی ونظریاتی نقصان ہورہا ہے۔خود اپنا ذہن بھی ناقابل بیان کرب وابتلاء سے دوچار ہے۔اس صورت حال میں سب سے زیادہ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ ان

الزامات واعتراضات کے حوالہ سے شیخ مکرم حضرت والد محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ کے مریدین وتلامذہ کا حلقہ بھی بری طرح پروپیگنڈہ سے متأثر ہورہاہے۔اوروہ اس بارہ میں حضرت شیخ مدظلہ کی رائے معلوم کرنے کیلئے مسلسل ان کی طرف رجوع کررہاہے۔جسکی وجہ سے وہ خاصے پریشان رہتے ہیں۔اور یہ ذہنی تشویش ان کے جسمانی ضعف ونقاہت میں اضافہ کا باعث بن رہی ہے۔

اب تک مختلف حضرات علماء کرام حضرت شیخ مدظلہ سے ملاقات کرکے اپنا اپنا نکتہ نظر بیان کرچکے ہیں۔کچھ آپ کے دفاع میں سرے سے ان الزامات کا وجود تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔اور کچھ آپ کی کیسٹوں اور بیانات سے ان کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔اس صورت حال میں آپکی طرف رجوع کیا جارہاہے،تاکہ آپ اصل صورت حال کی وضاحت فرماکر دینی ومسلکی حلقوں کو اس تشویش وکرب سے نکال سکیں۔

اس وقت تک فخر العلماء حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ (جامعہ مدنیہ قدیم لاہور) کا مضمون آپکے تقریری نظریات پر گرفت کے حولہ سے شائع ہوچکاہے۔جبکہ استاذی المکرم ،فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب گورمانی مدظلہ (گوجرانوالہ) کا طویل مضمون جو حضرت شیخ مدظلہ کے حکم پر تحریر کیا گیا ہمارے پیش نظر ہے۔ان مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مضامین کے اندر جو الزامات واعتراضات آپ پر عائد کئے گئے ہیں وہ حیران کن حد تک پریشان کن ہیں۔اگر آپ کی شہرہ آفاق دعوتی شخصیت اور تبلیغی خدمات کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ تمام الزامات واعتراضات واقعی جھوٹ کا پلندہ معلوم ہوتے ہیں۔اور اگر ان الزامات وااعتراضات کو مستند اور قابل اعتماد اکابر علماء کی گرفت وتنقید اور ثبوت کے حوالہ۔۔۔۔۔۔۔اور یہ خدانخواستہ حقیقت پر مبنی ثابت ہوجائیں تو آپ کے ساتھ ہمارا عقیدت ومحبت کا شیش محل ریزہ ریزہ ہوکر رہ جاتا ہے۔آپ شاید ہماری ذہنی تشویش اور قلبی کیفیات کا اندازہ نہ کرسکیں،لیکن خدا گواہ ہے کہ اس تشویشناک صورت حال نے ہمیں سکون وچین کی نیند سے محروم کررکھاہے۔اسی بے چینی وبے قراری کی حالت میں یہ عریضہ ارسالِ خدمت کررہاہوں۔کیونکہ آپ سے بہتر اس بارے میں ہمارے دردِدل کا مداوا اور کوئی نہیں کرسکتا۔اُمید ہے کہ آپ اپنی شانِ منصبی اور اخلاقِ کریمانہ کے تحت نظرِ شفقت فرماکر اوّلین فرصت میں اس عریضہ کا جواب عنایت فرماکر ممنون فرمائیں گے۔خدا تعالیٰ آپ کی جملہ دعوتی وتبلیغی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے نوازیں۔اور انہیں عوام الناس کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔آمین یا رب العالمین۔

برادرِ محترم! آپ پر عائد کئے گئے اعتراضات والزامات اور ان سے پیدا ہونے والے خطرات وخدشات اور شکوک وشبہات کا تذکرہ کرنے سے قبل چند ضروری باتیں بطور تمہید عرض کردینا ناگزیر خیال کرتا ہوں۔تاکہ ان کی روشنی میں آپ ہماری ذہنی کیفیت کا جائزہ بھی لے سکیں۔اور زیرِ نظر مکتوب کا مقصد بھی جان سکیں۔اس طرح آپ کو یقینا اس کا جواب تحریر کرنے میں انشاء اللہ العزیز سہولت و آسانی ہوگی۔(واضح ہو کہ مولانا طارق جمیل صاحب نے اب تک خط کا جواب دینا گوارہ نہیں فرمایا۔ناشرین)

(۱)مسلکِ علمائے دیوبند سے وابستہ تمام علمی وعوامی حلقے اس حقیقت سے پوری طرح واقف وباخبر ہیں کہ حضرت شیخ مکرم مدظلہ مختلف دینی محاذوں (تحفظِ ختمِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، ناموس صحابہؓ واہلِ بیت، ردّ قادیانیت، ردّ رافضیت وخارجیت، ردّ شرک وبدعت، دعوت و

تبلیغ، تعلیم وتدریس، تصوّف وطریقت، اور جہاد وقتال وغیرہ) پر اپنے اپنے انداز میں خدمات سرانجام دینے والی ہم مسلک شخصیات اور جماعتوں کے درمیان ذاتی وسیاسی یا پالیسی وطرزِ جدوجہد کے حوالہ سے پبلک کے اندر عوامی سطح تک پیدا کئے جانے والے تقریری و تحریری اختلافات سے ہمیشہ بیزار ونالاں رہے ہیں۔ اوران کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ ان تمام ہم مسلک دینی وسیاسی حلقوں کے درمیان باہمی ربط اور الفت ومحبت قائم رہے۔ اگر بالغرض کسی حکمت ومصلحت یا مجبوری ومعذوری کی بناء پر یہ باہمی ربط وتعلق قائم رکھنا مشکل ودشوار ہوتو کم ازکم اپنے ان اختلافات کو پبلک کے سامنے لانے اور مسلک ومشن کوتماشہ بنانے سے گریز وپرہیز ضرور کرنا چاہئے۔ اور اپنی اپنی جدوجہد کے دائرہ میں رہتے ہوئے خالصتاً مثبت انداز میں اپنے اپنے نصب العین ومقاصد کو جاری رکھنا چاہئے۔ ایک دوسرے کے وجود کو برداشت کرنے اور ایک دوسرے کی دینی وسیاسی جدوجہد اور خدمات کا احترام کرنے کا حوصلہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے۔ اور ایک دوسرے کے خلاف طعن وتنقید پر اپنی انرجی ضائع کرنے کی بجائے اپنی تمام تر علمی وذہنی اور قلمی ولسانی توانائیاں حق کی سربلندی اور باطل کی سرکوبی کیلئے صرف کرنی چاہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ مدظلہ نے کبھی بھی ہم مسلک حضرات اور جماعتوں کے مابین قلمی ولسانی محاذ آرائی کو پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ ہمیشہ اس طرزِ عمل کو ناپسند قرار دیتے ہوئے اسکی حوصلہ شکنی کی۔

(۲) یہ بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ دیگر ہم مسلک جماعتوں کی طرح تبلیغی جماعتوں کی طرح تبلیغی جماعت بھی ہمارے اسلاف اور بزرگوں کی جماعت ہے۔ اور ہم نے اسے ہمیشہ اپنے بزرگوں کی جماعت کے حوالہ سے ہی دیکھا ہے۔

امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندہلوی نوّر اللہ مرقدہ

جانشین امام التبلیغ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندہلوی نوّر اللہ مرقدہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوّر اللہ مرقدہ

اور رئیسِ التبلیغ حضرت مولانا انعام الحسن کاندہلوی نوّر اللہ مرقدہ

ہمارے ہی اکابر واسلاف تھے جن کا شمار بزرگان دیوبند میں ہوتا ہے۔ اور یہ تبلیغی جماعت ہمارے پاس انہی بزرگوں کا ورثہ اور انہی کی قربانیوں کا ثمرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی اس جماعت کے خلاف کسی طرف سے کسی قسم کی آواز اٹھی یا اسے طعن وتنقید کا نشانہ بنایا گیا تو حضرت شیخ مدظلہ نے جماعت کا پورا دفاع کیا جماعت کے ساتھ چلنے والے مقامی وبیرونی تمام حضرات کی ہمیں حوصلہ افزائی فرمائی۔ اگر کسی وقت کسی شیخ نے حضرت شیخ مدظلہ کے سامنے تبلیغی جماعت کے اندر موجود بعض خامیوں کو جماعت کے مرکزی بزرگوں کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی تو حضرت شیخ مدظلہ نے سختی سے اس کی تردید کی۔ اور ہمیشہ یہی فرمایا کہ اگر یہ خامیاں واقعی جماعت کے اندر موجود ہیں۔ تو یقیناً یہ نچلے طبقہ کی سوچ اور اس کا طرزِ ہوسکتا ہے۔ جس طبقہ کی اکثریت جاہل اور دینی علوم سے بے خبر وناآشنا ہے جماعت کے اکابر علماء اور مرکزی بزرگوں کی ہرگز یہ سوچ نہیں ہوسکتی۔

تبلیغی جماعت کے ساتھ حضرت شیخ مدظلہ کے گہرے قلبی وجذباتی تعلق کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ صحت وتندرستی کے زمانے میں ان گنت تدریسی، تبلیغی، تصنیفی مصروفیات کے باوجود صرف تبلیغی بزرگوں کی زیارت اور علماء کرام سے ملاقات کیلئے متعدد بار

رائے ونڈ تشریف لے گئے بلکہ ایک بار تو شدید علالت ونقاہت کے باوجود شہید اسلام حضرت مولانا مفتی جمیل خان شہید نور اللہ مرقدہ کے ہمراہ رائیونڈ تشریف لے گئے جہاں گاڑی سے علماء کرام کے حلقہ تک آپ کو ویل چیئر پر لے جایا گیا، جہاں انہوں نے ملکی وغیر ملکی علماء کرام سے ملاقاتیں کیں۔

(۳) یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے بانی وامیر اول امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اپنے تمام ہم مسلک علماء کے ساتھ باہمی ربط وتعلق قائم رکھنا ناگزیر خیال کرتے تھے۔ خواہ وہ سیاسی میدان میں کام کرنے والے علماء ہوں یا مذاہبِ باطلہ کے خلاف جدوجہد کرنے والے علماء۔ ان کا ہر ایک کے ساتھ تعلق تھا۔ انہوں نے نہ خود کو اُن سے علیحدہ رکھا اور نہ اُنہیں خود سے کبھی علیحدہ سمجھا۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت گنگوہیؒ، مولانا کاندھلویؒ کی نظر میں۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حضرت امام التبلیغ کے اُستاد ہیں۔ ان کی سیاسی وجہادی، علمی وفقہی، تعلیمی وتدریسی اور مختلف مذاہبِ باطلہ (قادیانیت، رافضیت، غیر مقلدیت اور شرک وبدعت وغیرہ) کے خلاف دینی خدمات سے کوئی بھی ذی علم بے خبر نہیں۔ حضرت امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ ان کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہیؒ اس دور کے قطب الارشاد اور مجدد تھے لیکن مجدد کیلئے ضروری نہیں کہ سارا تجدیدی کام اُسی کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔ بلکہ اس کے آدمیوں کے ذریعہ جو کام ہو وہ سب بھی بالواسطہ اُسی کا ہے۔ جس طرح خلفاءِ راشدینؓ بالخصوص حضرات شیخین (سیدنا امام ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا امام فاروق اعظم رضی اللہ عنہما) کا کام فی الحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا کام ہے۔ (ملفوظات مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ ص ۱۲۳ از مولانا منظور نعمانیؒ)

حضرت امام التبلیغ حضرت گنگوہیؒ کی تمام خدمات (خواہ وہ جہادی ہوں یا فِرق باطلہ کی تردید میں) کو مجددانہ خدمات قرار دے رہے ہیں۔ اور ان کے تلامذہ کی جدوجہد کو انہی کی مجددانہ جدوجہد کا تسلسل تسلیم کر رہے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص دعوت وتبلیغ کی آڑ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔۔۔ اور حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ کی جدوجہد کو غلط یا وقت کا ضیاع قرار دیتا ہو تو اتنی بات یقینی ہے کہ وہ کم از کم حضرت امام التبلیغ کا معتقد ومحب اور اُن کے دعوتی پروگرام سے مخلص نہیں ہوسکتا۔ ہم پورے وثوق اور یقین واعتماد کے ساتھ اس بات کا اعتراف واظہار کرنا چاہیں گے کہ خود حضرت امام التبلیغ کا تبلیغی مشن و پروگرام بھی حضرت گنگوہیؒ کی مجددانہ خدمات وجدوجہد کا تسلسل ہے۔

حضرت تھانوی مولانا کاندھلویؒ کی نظر میں۔

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ کی مختلف فِرق باطلہ کے خلاف اور سیاست وطریقت کے شعبوں میں ہمہ گیر خدمات پر شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ لیکن ان تمام خدمات کے باوجود حضرت امام التبلیغ ان کی جملہ تعلیمات وتحقیقات پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”حضرت مولانا تھانویؒ نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو اُن کی ہو اور طریقہ میرا ہو کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہوجائے گی (ملفوظات ص ۵۶)

گویا حضرت امام التبلیغ اپنے طریقۂ تبلیغ کے ذریعہ حضرت تھانویؒ کی تعلیمات کو عام کرنے کا عزم وارادہ رکھتے تھے۔اب حضرت تھانویؒ کی تعلیمات سے واقف وآگاہ ہر شخص جانتا ہے کہ ان کی تعلیم میں جہاں عبادات واخلاقیات کا درس اور معیشت ومعاشرت کی اصلاح کے شرعی ضابطے مذکور ہیں وہاں قادیانیت، رافضیت، غیر مقلدیت اور بریلویت وغیرہ فرقِ باطلہ کا ردّ بھی بکثرت موجود ہے۔ اورحضرت امام التبلیغ حضرت تھانویؒ کی جملہ تعلیمات کو عام کرنا چاہتے تھے۔

حضرت مدنیؒ مولانا کاندھلویؒ کی نظر میں۔

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کی فرنگی سامراج کے خلاف جہادی وسیاسی خدمات کے علاوہ اکابرین علمائے دیوبند کے دفاع اور دیگر علمی ودینی محاذوں پر جدوجہد ایک ناقابل تردید حقیقت ہے،لیکن ان کی ان خدمات اور دائرہ جدوجہد الگ ہونے کے باوجود حضرت امام التبلیغ کا ان سے ربط وتعلق اس ایک واقعہ سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

(ہندوستان کے ایک شہر) کھتولی میں تبلیغی اجتماع تھا۔حضرت امام التبلیغ مولانا الیاس کاندھلویؒ کا بیان تھا۔بیان سے قبل کسی نے بتایا کہ اسی علاقہ میں قریب ہی ایک جگہ پر سیاسی جلسہ ہورہا ہے جس میں حضرت مدنیؒ کا بیان ہے۔حضرت امام التبلیغ نے فوراً اپنا تبلیغی اجتماع ملتوی کرنے کا اعلان کردیا۔اور فرمایا کہ سب لوگ جاکر حضرت مدنیؒ کی تقریر سنیں۔ادھر حضرت مدنیؒ کو کسی نے تقریر کے دوران خبر دی کہ اسی وقت قریب ایک جگہ پر تبلیغی اجتماع ہورہا ہے۔جسمیں مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کا بیان ہے۔حضرت مدنیؒ نے اطلاع ملتے ہی تقریر مختصر کردی اور فرمایا تمام حضرات جاکر مولانا الیاسؒ صاحب کی تقریر سنیں۔نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں (سیاسی وتبلیغی) اجتماع ختم ہوگئے۔ (ماخوذ،سوانح شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ ص ۶ از مقصود احمد جالندھری)

یہ ایک واقعہ بزرگان دیوبند کے باہمی ربط وتعلق ان کی آپس کی الفت ومحبت اور ایک دوسرے کہ جدوجہد وخدمات کے برملا اعتراف کی ایک ایسی روشن مثال ہے جو ہمارے زمانہ میں ہمارے لیے محض ایک خواب وخیال بن کر رہ گئی ہے۔حضرت امام التبلیغ، حضرت مدنیؒ سے صرف ظاہری ربط وتعلق ہی نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اُن کی عظمت وعلمیت کا برملا اعتراف بھی کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ’’جس دریا کا ایک پیالہ ضبط کرنا مشکل ہے۔حضرت مدنیؒ سات سمندر چڑھائے ہوئے ہیں پھر بھی ضبط موجود ہے۔مجال ہے کہ ساغر چھلک جائے‘‘۔(ایضاً ص ۵)

کاش ہمارے اندر بھی اظہارِ حقیقت اور دوسروں کے اعترافِ عظمت کا یہ جذبہ پیدا ہوجائے۔ہم بھی اپنی مخصوص جدوجہد کے آہنی خول سے نکل کر دوسرے محاذوں پر دینی جدوجہد کرنے والی ہم مسلک شخصیات کی قربانیوں اور خدمات کو تسلیم کرنے کا اپنے اندر حوصلہ پیدا کرسکیں۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ جس خطیب وعالم کو اسکی بات سننے والا ایک مجمع مل جائے، اس کا دماغ خراب ہوجاتا ہے۔وہ سمجھتا ہے کام صرف وہی ہے جو میں کررہا ہوں۔ باقی سارے فضول وقت ضائع کررہے ہیں۔ ہمارے اس انانیت پرستانہ طرز فکر نے ہماری متحدہ قوت کو تقویم در تقویم کے مراحل سے گزار کر تفریق وانتشار کے ان گنت گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔اور ہماری گستاخانہ جسارتیں اس حد تک آگے بڑھ گئی ہیں کہ ہمیں اپنے ان اسلاف کا طرز علم بھی غلط نظر آنے لگا ہے جن کی جدوجہد اور خدمات کے صدقہ ہمیں

اسلام کی دولت ملی ہے۔

محترم! یہ چندواقعات صرف اظہارِ حقیقت کیلئے ذکر کئے گئے ہیں۔ ورنہ اس طرح کے بے شمار واقعات ہمارے اسلاف دیوبند کی روشن تاریخ کا حصہ ہیں۔ مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے ایک طویل عرصہ حضرت امام التبلیغ کی صحبت میں گزارا ہے۔ اور ان کے مشن و پروگرام کو بڑے قریب سے سمجھا ہے۔ ان کے حضرت امام التبلیغ سے مراسم وتعلقات کوئی مخفی راز نہیں۔ لیکن وہ تمام عمر قادیانیت، رافضیت اور بریلویت جیسے مذاہبِ باطلہ کے خلاف تحریری وتقریری مناظرانہ خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اور تبلیغی بزرگوں کے ان کے ساتھ تعلقات قطعاً متاثر نہیں ہوئے۔

(۴) اکابرین دعوت وتبلیغ کا جہاں اپنے ہم مسلک وہم عصر بزرگوں سے ربط وتعلق ایک امر واقعہ ہے۔ وہاں مختلف فتنوں سے انکی نفرت اور اس نفرت کا موقع اظہار بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ جن سے چشم پوشی کرنا ان کے مقصودی دعوتی پروگرام سے اغماض و انحراف کے مترادف ہے۔ چندواقعات ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ لکھنویؒ مولانا کاندھلوی کی نظر میں۔

امام اہل سنت حضرت مولانا علامہ عبدالشکور لکھنویؒ کی دیگر فتنوں (قادیانیت، غیر مقلدیت، بریلویت وغیرہ) کے علاوہ رافضیت کے خلاف تحریری وتقریری جدوجہد کسی ثبوت کی محتاج نہیں۔ ان فتنوں کے خلاف ان کا مدلل وعلمی طرزِ تحریر وتقریر اور مناظرانہ (طریقہ کار) اتنا اور اس قدر جامعیت کا حامل تھا کہ ہم نے اپنے شیخ ومرشد حضرت والد محترم مدظلہ سے بیسیوں بار یہ سنا کہ ''علامہ لکھنویؒ کی تحریرات اس قدر انمول ہیں کہ اگر ان کی ایک ایک تحریر لاکھوں روپے کے عوض دستیاب ہو سکے تو سودا مہنگا نہیں''

گزشتہ صدی عیسوی کی چوتھی دہائی میں لکھنو کے اندر روافض نے صحابہ کرامؓ بالخصوص خلفاءِ راشدین رضوان اللہ علیہم کے خلاف ''تبرّا ایجی ٹیشن'' شروع کی تو حکومت برطانیہ ان کے پشت پر آگئی اسکے جواب میں حضرت علامہ لکھنویؒ نے ''تحریک مدح صحابہ ؓ'' کی بنیاد رکھی گورنمنٹ نے گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا تو تحریک کے آغاز میں جو لوگ گرفتاری دینے کیلئے پہلے پہنچے ان میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور امام التبلیغ حضرت کاندھلویؒ کے نام سب سے نمایاں ہیں لیکن علامہ لکھنویؒ نے ان کی گرفتاری کو قبول نہیں کیا۔ اور فرمایا آپ دونوں بزرگوں کی ہمیں باہر زیادہ ضرورت ہے۔ اس واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام التبلیغ عظمتِ صحابہؓ واہل بیتؓ کی کسی تحریک میں حصہ لینے اور اس کیلئے خود کو گرفتاری کیلئے پیش کرنے کو اپنی تبلیغی تحریک اور اپنے دعوتی اغراض ومقاصد کے منافی ہرگز نہیں سمجھتے تھے۔ وہ مذاہب باطلہ کے خلاف علامہ لکھنویؒ کی جدوجہد وخدمات سے کس قدر متاثر تھے۔ اس کا اندازہ ان کے ان تاثرات سے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ۔

''وصال سے ایک سال قبل رجب ۱۳۶۲ھ میں حضرت کاندھلوی لکھنو تشریف لائے اور ایک ہفتہ تک دارالعلوم ندوۃ العلماء میں قیام فرمایا ایک دن مولانا معین اللہ خان ندوی (جو بعد میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم شعبہ تعمیر وترقی بھی رہے ہیں) مولانا کاندھلوی کے بالکل سامنے بیٹھے وضو کر رہے تھے حضرت مولانا کاندھلویؒ کی ان پر شفقت وعنایت کی خاص نظر تھی ان سے مخاطب ہو کر فرمایا میاں

مولوی معین اللہ حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ کو جانتے ہو؟ عرض کیا ہاں حضرت جانتا ہوں۔ زیارت بھی کی ہے فرمایا نہیں تم نہیں جانتے پھر فرمایا وہ امامِ وقت ہیں۔ (تحدیث نعمت آپ بیتی مولانا منظور نعمانیؒ ص ۳۵۲)''

حضرت امام التبلیغ کی طرف سے علامہ لکھنویؒ کو عطا کردہ یہی ''امامِ وقت'' کا خطاب بعد میں علمی وعوامی حلقوں کے اندر امامِ اہل سنت کے الفاظ سے متعارف ہوا۔ اور پھر امامِ اہل سنت کا یہ خطاب علامہ لکھنویؒ کے نام کا لاحقہ انکی خصوصی پہچان بن گیا۔ جس طرح اسلافِ دیوبند میں ۔۔۔ حضرت نانوتویؒ کیلئے حجۃ الاسلام ۔۔ حضرت گنگوہیؒ کے لئے قطب الارشاد ۔۔۔ حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کیلئے شیخ الہند ۔۔ حضرت تھانویؒ کیلئے حکیم الامت ۔۔۔ حضرت مدنیؒ وعلامہ عثمانی کیلئے شیخ الاسلام ۔۔ حضر مولانا عبیداللہ سندھیؒ کیلئے امامِ انقلاب ۔۔۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کیلئے شیخ التفسیر ۔۔۔ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کیلئے امیرِ شریعت ۔۔۔ اور حضرت مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ کیلئے رئیسِ الاحرار ۔۔۔ کے خطابات انکی پہچان بن چکے ہیں۔ اسی طرح ۔۔ علامہ لکھنویؒ کیلئے امامِ التبلیغ کا دیا ہوا امامِ اہل سنت کا خطاب ۔۔ انکی شناخت بن چکا ہے۔ علامہ لکھنویؒ کو حضرت امامِ التبلیغ نے یہ خطاب انکی ہمہ گیر خدمات اور انکی ان گنت خوبیوں کی حامل شخصیت کی بناء پر دیا۔ انکی شخصیت امامِ التبلیغ کی نظر میں کیا تھی؟ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت ملا نا محمد منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ (حضرت تھانویؒ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد) حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے ایک صحبت میں مجھ سے فرمایا کہ ان مشرقی دیار میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ کا وہی مقام ہے جو ہمارے مغربی دیار میں ہمارے حضرت تھانویؒ کا تھا۔ (تحدیث نعمت ص ۳۵۲) اس ایک جملہ کے اندر حضرت امام التبلیغ نے اپنے دور کے دو بڑے بزرگوں کی عظمت وخدمات کے اعتراف اوران کے طرز جدوجہد پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ہمارے دور کے ان علماء وخطباء کے ذہن وفکر پر ایک چابک رسید کیا ہے۔ جو اپنے اپنے خول میں بند ہو کر دوسروں کی دینی خدمات کی نفی کئے جارہے ہیں۔ اوراس چابک کی چوٹ وہی محسوس کرسکتا ہے جس کے احساس زندہ، شعور بیدار اور حواس کام کررہے ہوں۔

فتنۂ مودودیت اور حضرت جیؒ:

حضرت امام التبلیغ کے بعدان کے فرزندار جمند وجانشین حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ تبلیغی جماعت کے دوسرے امیر منتخب ہوئے تو اُنہوں نے بھی اپنے ۲۱ سالہ دورِ امارت (۱۹۴۴ء اپریل ۱۹۶۵ء) میں باطل فرقوں اور فتنوں کے خلاف ہمیشہ سختی برتی، اوران سے اپنی تحریک کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ جب (۱۸ اپریل ۱۹۵۲ میں) وہ دورہ پاکستان کے دوران صوبہ سندھ کے شہر سکھر میں تشریف لائے تو تقریر سے قبل ان کو اطلاع دی گئی کہ پنڈال سے باہر مودودی صاحب کی کتب کا اسٹال لگا ہوا ہے۔ حضرت جیؒ نے فوراً وہ اسٹال اٹھوانے کا حکم جاری کیا اور تبلیغی رضا کاروں سے فرمایا کہ اس گمراہی کے اڈے کو پنڈال سے دور چھوڑ کر آؤ چنانچہ حضرت جیؒ کے حکم پر مودودی کتب کا وہ اسٹال وہاں سے اُٹھوا کر دور نکال دیا گیا۔ اس واقعہ پر جماعت اسلامی نے حضرت جی اور تبلیغی جماعت کے خلاف جو شدید احتجاج کیا وہ جماعت اسلامی کے اس وقت کے آرگن ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' کے صفحات پر آج بھی دیکھا جاسکتا ہے غرضیکہ حضرت جی بھی اپنی تحریک کو ہر قوم کے فتنوں سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ اوراس بارہ میں کسی قوم کی نرمی اور لچک کے ہرگز روادار نہ

تھے۔

حضرت جیؒ کے دعوتی مقاصد:

کسی بھی تحریک کا پروگرام اور اس کے مقاصد اس کے تھرڈ کلاس واعظوں پرائمری خطیبوں یا مڈل کلاس لیکچراروں کے بیانات سے نہیں بلکہ اسکی ہائی کلاس قیادت کے فکر وعمل سے ہی معلوم کئے جاسکتے ہیں۔تبلیغی جماعت کا بنیادی نصب العین بھی اسکی مرکزی قیادت کے فکر وعمل سے ہی پہچانا جاسکتا ہے۔حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی نے حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی جوسوانح حیات مرتب کی ہے اسمیں حضرت جیؒ کی تقاریر ومواعظ سے تبلیغی جماعت کے بنیادی مقاصد بڑی آسانی سے پہچانے جاسکتے ہیں۔مولانا سید محمد ثانی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔کہ

''جن لوگوں نے مولانا محمد یوسفؒ کی دعوت اور تبلیغی تحریک کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور مولانا کی تقریروں اور تحریروں کو توجہ وانہماک سے سنا ہے اور پڑھا ہے۔وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مولانا دین کے کسی خاص شعبہ کے داعی وعلمبردار نہ تھے۔ بلکہ پورے نظام کی تبدیلی چاہتے تھے۔اور پورے معاشرہ میں صالح انقلاب لانا چاہتے تھے۔لیکن یہ انقلاب موجودہ تحریکوں سے نہیں لانا چاہتے تھے۔بلکہ طریقہ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ لوگوں کا ذہن ودماغ بدلنا چاہتے تھے۔اور یہ چاہتے تھے کہ مسلمان بالکلیہ اسلام کے پیروکار بنیں وہ لوگ مولانا پر ظلم کرتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا اسلام کے چندارکان کی اشاعت میں اپنی ساری زندگی گزارتے رہے''۔(سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ص ۷۱۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جیؒ دین کے صرف ایک شعبہ تبلیغ کے علمبردار نہ تھے۔بلکہ دین کے تمام شعبوں کی ہم آہنگی سے پورے معاشی ومعاشرتی اور عدالتی وسیاسی سسٹم میں صالح انقلاب پیدا کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھے اور اسکی وضاحت خود حضرت جیؒ کے حوالہ سے اس طرح کی گئی ہے۔حضرت جیؒ فرماتے ہیں کہ

''ہم یہ چاہتے ہیں کہ بازار سے مسجد تک کا نظام اور مسجد سے بیت اللہ تک کا نظام درست ہوجائے (ایضاً ص ۷۱۸)

گویا حضرت جیؒ اپنی اس تبلیغی تحریک کے ذریعہ ان تمام اعتقادی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی فتنوں کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھے۔جو اسلام کے صالح انقلاب کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔گویا وہ اس انقلابی جدوجہد کے ذریعہ بازار سے مسجد تک اور مسجد سے بیت اللہ تک کے نظام میں تبدیلی کے خاہاں تھے۔یہ جملہ کافی حد تک اس حقیقت کی وضاحت کردیتا ہے کہ حضرت جیؒ شخصی اصلاح سے لیکر عالمی نظام تک میں انقلاب لانا چاہتے تھے۔

اس انقلاب کے لئے حضرت جیؒ نے عصری تحریکوں کے بجائے طریقۂ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنیاد بنایا اور اسی کی بنیاد پر مقاصد کے حصول تک پہلے کوشش کی سیرت نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے۔کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدوجہد کی ترتیب کیا تھی۔انہوں نے دعوت کے ذریعہ افراد کو اپنے ساتھ جوڑا۔اور پھر تعلیم کے ذریعہ ان افراد کے اندر اعتقادی پختگی اور عملی جدوجہد کا جذبہ پیدا کیا۔اس کے بعد ان کو جہاد وقتال امامت وامارت اور سیاست وحکومت جیسے عملی میدانوں میں اُتار دیا، خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ساری زندگی اپنے گرد جمع ہونے والے حضرات کو ایک ہی دائرے میں بند اور ایک ہی سٹور میں سٹاک نہیں کیا۔ بلکہ ہر ایک کو اسکی صلاحیت کے مطابق عملی میدان میں اُتارا ہے۔ کسی کو مسجد کا امام بنا کر اور کسی کو معلم و مدرّس بنا کر۔۔۔ کسی کو سپہ سالار بنا کر او کسی کو علاقہ کا گورنر بنا کر۔۔۔ کسی کو قاضی اور کسی کو قاری بنا کر۔۔۔ خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کام کو وسعت دی۔ اور یہی پروگرام حضرت جیؒ کا تھا۔ وہ افراد کو ہمیشہ کیلئے صرف دعوت وتبلیغ کے دائرہ میں بند رکھنا ہرگز نہیں چاہتے تھے۔ اور ویسے بھی فطرت کا اصول ہے۔ کہ جو چیز اسٹاک کر لی جائے اور آگے اس کی سپلائی روک دی جائے تو وہ کام کی نہیں رہتی ضائع ہو جاتی ہے۔

فتنہ مودودیت اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ:

حضرت جیؒ کے بعد تبلیغی جماعت کے تیسرے امیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ مہاجر مدنی منتخب ہوئے تو انہوں نے رافضیت، غیر مقلدیت اور مماتیت جیسے فتنوں کے خلاف جو قلمی جدوجہد فرمائی وہ ان کی کتب ورسائل ان کے مکاتیب اور ان کی آپ بیتی میں سینکڑوں مقامات پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اور اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ مسلک دیوبند کے جملہ عقائد و مسائل کی جو ترجمانی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی تحریرات وتعلیمات میں ملتی ہے وہ کسی اور کے ورثے میں نہیں آئی تو مجھے امید ہے کہ میں اپنے دعویٰ میں جھوٹا نہیں ہوں گا۔ انشاء اللہ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کا رسالہ فتنۂ مودودیت بھی طبع ہو کر ایک طویل عرصہ سے منظر عام پر آچکا ہے جس سے مودودیت کے بارہ میں ان کا فکر ونظریہ بالکل واضح ہے۔ اور جسے کھل کر بیان کرنے میں انہوں نے کسی قسم کی مصلحت پرستی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

اکابرین دعوت وتبلیغ کے مذکورہ طرزِ عمل اور فکر ونظر کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہمارے شیخ ومرشد حضرت والد محترم مدظلہ نے بھی فتنوں کے تعاقب کا راستہ اختیار کیا ہے۔ تو یہ دعوتی وتبلیغی مشن سے جدا راستہ ہرگز نہیں۔ وہ ان ہی اکابرین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اکابر علماء سے روابط قائم کرنے اور ہم مسلک جماعتوں کے درمیان اتحاد و یکجہتی پیدا کرنے کیلئے مصروف عمل رہے ہیں۔ تو وہ تبلیغی تحریک کے ہرگز منافی نہیں خدا تعالیٰ صحت وسلامتی اور مکمل تندرستی کے ساتھ ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین

(۵) گزشتہ کئی سالوں سے ملک بھر کے اندر اکثر ہم مسلک علمی وعوامی حلقے تبلیغی جماعت کے بارے میں مسلسل یہ شکایت کر رہے ہیں تھے جماعت کے اندر جہاد کی مخالفت اور علماء سے دشمنی کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ آیات جہاد کی تحریف کس حد تک تاویلیں کی جا رہی ہیں۔ جہادی تحریکوں کو فسادی قرار دیا جا رہا ہے۔ جو علماء کرام تبلیغی جماعت سے وابستہ نہیں ان کی خدمات کا سرے سے انکار کیا جا رہا ہے۔ یہ تمام ذہن سازی جماعت کی مرکزی قیادت کی طرف سے کی جا رہی ہے۔

لیکن حضرت شیخ مدظلہ سمیت تمام دیگر اکابرین علماء دیوبند نے ہمیشہ اس الزام کی تردید کی اور جماعت کی مرکزی قیادت کو اس سے بری وبے گناہ قرار دیا۔ ان تمام اکابر کے نزدیک جماعت کے اندر بڑھتے ہوئے اس گمراہ کن رجحان کی ذمہ داری جماعت کے نچلے طبقے پر عائد ہوتی ہے۔ جو جہالت اور بے علمی کی وجہ سے اسلام دشمنوں کی خفیہ سازشوں کی شکار ہو کر رہ گیا ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کے اسلام دشمن کے ایجنٹ انتہائی غیر محسوس طریقے سے جماعت کے اندر گھسنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ اور علماء کرام کیخلاف

نفرت کے بیج بور ہے ہیں اس حوالے سے ہمارے جملہ اکابر نے ہمیشہ تبلیغی جماعت کے مرکزی بزگوں اور ذمہ داروں کو اس گمراہ کن طرز فکر سے بری الزمہ قرار دیا لیکن بدقسمتی سے اب آپکی تقاریر و دروس کے حوالے سے آپ کے خلاف جو الزامات سامنے آرہے ہیں۔ اگر خدانخوستہ وہ درست ثابت ہو جائیں تو علمی و عوامی حلقوں کا یہ خطرہ صحیح ثابت ہو جائے گا کہ ہمارے بزرگوں کی یہ خالص اسلامی واصلاحی تحریک واقعی غلط ہاتھوں میں منتقل ہو چکی ہے۔ کیونکہ جماعت کے اندر جو مرکزی حیثیت حاصل کر چکے ہیں اور پوری دنیا کے اندر آپ کو جس طرح جماعت کے مرکزی ترجمان کی حیثیت سے جانا اور پہچانا جاتا ہے، اس سے ان خطرات اور خدشات کا پیدا ہو جانا ایک فطری امر ہے (والامرُ قدثبت بالبراہین۔ ناشرین)

(۶) ہمیں اس کی حقیقت کا بھی برملا اعتراف ہے کہ دنیا بھر کے اندر آپ کی دعوتی خدمات انتہائی قابل قدر اور ناقابلِ فراموش ہیں۔ جو مستقبل کی تاریخ کے اندر بلاشک وشبہ سنہری حروف میں لکھی جائی گی۔ اسلامی اخلاقیات اور دینی عبادات سے کوسوں دور امت مسلمہ کے مختلف طبقات اور ہماری دین و مذہب سے بیزار لہو ولعب میں مصروف نوجوان نسل کے اندر آپ نے پُر اثر تقاریر کے ذریعہ جو ذہنی و عملی تبدیلی پیدا کی ہے۔ انہیں عبادات اور اخلاقیات سے مانوس کر کے انہیں غیر اسلامی طرز و معاشرت سے نکالا ہے، اس سے ہمارے عقیدت اور محبت سے لبریز دل آپ کو خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور و بے بس ہیں اس اعتبار سے دعوت وتبلیغ کے میدان میں آپ بلا شک وشبہ پورے عالم اسلام کے ایک آئیڈیل شخصیت قرار دئے جانے کے واقعی حقدار ہیں۔

لیکن اس کے ساتھ یہ ناقابل تردید حقیقت بھی پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ آپ دعوت وتبلیغ کے جس عالمی شہرت کے عظیم منصب پر فائز ہیں۔ اسمیں آپ کے بیان و گفتگو کا مدلل و مبرہن ہونا اور آپ کے طرز و انداز کا محتاط ہونا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ایسے عظیم منصب کے داعی سے جب غیر محتاط اور کمزور و ناپختہ دلائل پر مبنی گفتگو سامنے آتی ہے۔ تو اس سے وابستہ ان گنت لوگوں کی ضلالت و گمراہی کا باعث بن جاتی ہے۔ اور خاص کر ان لوگوں کے افکار و نظریات تو یقینا متزلزل ہو سکتے ہیں۔ جو اس داعی سے گہری عقیدت اور قلبی محبت کا رشتہ رکھتے ہوں۔

ماضی قریب میں برصغیر پاک و ہند کے اندر پیدا ہونے والے تقریباً تمام فتنے ایسی ہی عقیدت و محبت کی بنیاد پر پروان چڑھے۔۔۔۔ سرسید احمد خان ہو یا مرزا غلام احمد قادیانی۔۔۔ عبداللہ چکڑالوی ہو یا غلام احمد پرویز۔۔۔ عنایت اللہ المشرقی ہو یا سید ابو الاعلیٰ مودودی۔۔۔ حمید الدین فراہی ہو یا احمد رضا خان بریلوی۔۔۔ امین احسن اصلاحی ہو یا جاوید احمد غامدی۔۔۔ (اگر ان میں طاہر القادری اور ڈاکٹر ذاکر نائیک کا بھی اضافہ کر لیا جائے تو بات پوری ہو جائے۔ ناشرین) ان میں ہر ایک نے پہلے اپنی تحریر یا تقریری کی فنی صلاحیتوں کے ذریعہ پبلک سے دادِ تحسین وصول کی۔ اور جب پبلک ان کی فنی صلاحیتوں کی گرویدہ ہو گئی تو انہوں نے پبلک کیلئے گمراہی کے دروازے کھول دیئے۔ اس انتہائی نازک وحساس مقام پر ایسے لوگوں کا صراطِ مستقیم پر قائم رہنا، اور گمراہی سے ہدایت کی طرف واپس پلٹ آنا بہت مشکل اور سخت دشوار ہوتا ہے۔ جن کے دلوں میں محبت و عقیدت کا بیج تناور درخت کی صورت اختیار کر چکا ہو۔ نتیجتاً ان کا گمراہ راہنما اور اسکی پیدا کردہ گمراہی کے ساتھ چلنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

خدا گواہ ہے کہ ہم نے ایسے بے شمار لوگوں کا خود مشاہدہ کیا ہے کہ۔۔۔۔ان کے محبوب و پسندیدہ راہنما نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو انہوں نے قرآن پاک کی صریح آیات اور احادیثِ صحیحہ میں تحریف و تاویل تو گوارہ کر لی مگر اپنے محبوب راہنما کا دامن نہیں چھوڑا ۔۔۔ان کے پیشوا نے قرآن میں مذکور معجزات کا انکار کیا ہے۔تو انہوں نے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مفہوم بدل لیاہ۔لیکن اپنے پیشوا کو نہیں چھوڑا۔۔۔ان کے راہنما نے خلفاء راشدین، صحابہؓ کرام، و اہل بیت عظام پر برملا تبرّا کیا۔ان کے معیارِ حق و صداقت ہونے سے انکا کیا۔تو انہوں نے اس کی تصدیق و تائید کیلئے کمزور تاریخی حوالے ڈھونڈے ہیں اس کا پورا دفاع کیا ہے اس سے علیحدگی و اختلاف نہیں کیا۔آپ معاشرہ کے اندر چل پھر کر دیکھئے۔آپکو ایسے لوگوں کا ایک جم غفیر ملے گا جو اپنے پیشواؤں کی محبت و عقیدت میں آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ صحیحہ کے منصوص احکامات و نظریات اور امت کے اجتماعی عقائد و افکار سے انحراف و بغاوت کرنے والا ہوگا۔ خدا تعالیٰ اہل حق کو ان کے شرور و فتن سے محفوظ فرمائے۔آمین یا رب العالمین۔

(۷) اس کے ساتھ آپکو یہ حقیقیت بھی پوری طرح ذہن نشین رکھنا ہوگی کہ قدرت نے اپنے خصوصی فضل و کرم کے ساتھ آپ کو جس عظیم منصب تک پہنچایا ہے، اس منصب پر فائز کسی بھی ہستی کیلئے کسی مقام پر سرزد ہو جانے والے ایسے قصور و خطاء کا برملا اعتراف کر لینے اور اسکی تلافی کر دینے کا حوصلہ موجود ہونا چاہئے۔جو قصور و خطاء دوسروں کی گمراہی یا تشویش کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔کیونکہ اس منصب پر فائز انسان بہر حال نبی نہیں۔جبکہ عصمت صرف نبوت کا خاصہ ہے۔نبی کے علاوہ کسی بھی انسان سے بڑے سے بڑے قصور کا سرزد ہو جانا ممکن ہے۔حکمت و دانائی کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ آدمی منصب و مرتبہ کے اعتبار سے جتنا بڑا ہوتا ہے۔اس کا حوصلہ اور ظرف بھی اتنا ہی بڑا ہونا چاہئے۔کیونکہ اگر کسی بلند و بالا منصب پر فائز کسی ہستی سے ایسی غلطی کا ارتکاب ہو جائے جو اس سے وابستہ افراد کے اندر کسی قسم کی فکری و اعتقادی یا عملی گمراہی پیدا کر سکتی ہے۔اور اس ہستی کے اندر اعترافِ قصور اور رجوع الی الحق کا حوصلہ موجود نہ ہو تو یہ گمراہی صرف اسکی ذات یا چند افراد تک محدود نہیں رہتی بلکہ نسل در نسل اور قرن در قرن آگے بھی چل سکتی ہے۔لہذا اس کیلئے نہ صرف اپنی غلطی کا برملا اعتراف ضروری ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس سے متاثر ہو کر غلط روش پر چل نکلنے والوں کی واپسی کی کوشش کرنا اور ان لوگوں کے شکوک و شبہات و بدگمانیوں کو دور کرنا جو اس غلطی کیوجہ سے اصل مشن و جماعت سے بدظن و علیحدہ ہو رہے ہوں۔انتہائی ناگزیز ہو جاتا ہے۔اسی میں منصب کی عظمت ہوتی ہے اور اسی میں مقصد و نصب العین کی حفاظت۔اسلاف اہل سنت اور بزرگان دیوبند میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ انہوں نے خود سے سرزد ہو جانے والی اپنی کسی بھی غلطی کا احساس ہو جانے یا کسی کی طرف سے احساس دلائے جانے کے بعد اس غلطی سے اعلانیہ رجوع کر لینے میں نہ کوئی عار محسوس کیا اور نہ اعترافِ قصور کو اپنی عزتِ نفس کا مسئلہ بنایا۔ بلکہ اسکی تلاجی کی پوری کوشش کی۔

(۸) میں اس بات کا اظہار بھی اس مقام پر ضروری خیال کرتا ہوں کہ ضروری نہیں آپ پر عائد کردہ الزامات سارے کے سارے حقیقت و واقعیت پر مبنی ہوں۔۔۔یقیناً ان میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جنہیں محض ذہنی تعبیرات و ترجیحات کا اختلاف قرار دیا جا سکتا ہے۔ممکن ہے ان میں سے بعض باتیں ایسی بھی ہوں جن کی تفصیل کا آپ کو موقع نہ ملا ہو اور صرف ان کا مجمل بیان ہیں غلط فہمیوں کا باعث بن گیا ہو۔۔۔اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بعض باتیں صرف جوشِ خطابت یا سبقتِ لسانی کا نتیجہ ہوں۔۔۔۔

لیکن ان تمام امکانات وتاویلات کے باوجود یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ان کے جو نتائج وثمرات سامنے آئے ہیں۔اسے سنگین نوعیت کی فکری واعتقادی

بدگمانیاں پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔اوراس سے نہ صرف آپکی علمی حیثیت ودعوتی پوزیشن بری طرح متاثر ہوسکتی ہے۔۔۔۔نہ صرف اس سے کم علم وناسمجھ،عقیدت مندوں کے بھکنے کا اندیشہ ہے۔ بلکہ ان غلطیوں کے باعث امام التبلیغ حضرت کاندھلویؒ کی خالص دینی واصلاحی تحریک اوردعوتی وتبلیغی جماعت کے غلط راستوں پر چل نکلنے کا خوفناک خطرہ اوراذیتناک خدشہ بھی موجود ہے۔خدا تعالیٰ ہمارے بزرگوں کی اس تحریک کو ہرقسم کے خطرات وخدشات اور ہرقسم کے شروروفتن سے حفاظت فرمائے۔۔آمین یارب العالمین۔

(۹) آپ کے بعض عقیدتمندوں اورتبلیغی جماعت کے جوشیلے حضرات کا یہ مئوقف بھی ہم تک پہنچاہے کہ یہ الزامات صرف بغض و عناد پر مبنی اور حسد کا نتیجہ ہیں۔جن کا حقیقت کے ساتھ ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ہم ان کے جوش وجذبہ اورآپ کے ساتھ ان کے والہانہ و وعقیدت مندانہ تعلق کا دِلی احترام کرتے ہیں ممکن ہے ان کی بات کسی حد تک درست بھی ہو۔اوربعض حضرات کا آپ سے اختلاف واقعی بغض وعناد پر مبنی ہو۔۔۔۔یاکسی معاصرانہ چشمک کا نتیجہ ہوگا۔کچھ لوگ اس اختلاف کے ذریعہ اپنی مارکیٹ ویلیو بڑھانے یا اپنے علمی و فنی قدکاٹھ میں اضافہ کرنے کے چکر میں ہوں۔۔۔۔آپ کے عقیدت مندوں کے یہ تحفظات اپنی جگہ پر۔

لیکن!میں آپ کوصدقِ دل سے یقین دلاتا ہوں کہ فخر العلماء حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ اوراستاذی المکرم حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب گورمانی مدظلہ جیسے جلیل القدر علماء اورمفتیان کرام جو تحقیق وآفتاء اورعلم ودیانت میں اپنا ایک منفرد وبالا مقام رکھتے ہیں۔ان کے بارہ میں یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ معاذ اللہ تعالیٰ محض بغض وعداوت یا بدنیتی وبددیانتی یا شہرت ومارکیٹ ویلیو کی خاطر بغیر کسی دلیل وثبوت کے صرف مفروضات پر مبنی کوئی رائے قائم کر کے آپ کے خلاف کسی قسم کی محاذ آرائی قائم کر سکتے ہیں۔۔۔۔ممکن ہے ان تک پہنچنے والا ثبوت کسی مقام پر کوئی کمزوری رکھتا ہو۔۔۔یہ بھی ممکن ہے اس ثبوت پران کی رائے کمزورومرجوح ہو۔۔۔لیکن یہ ممکن نہیں کہ ان کی رائے کے پیچھے کسی بدنیتی و بددیانتی کا عمل دخل ہو۔۔۔ اس لئے ہماری یہ انتہائی دیانتدارانہ رائے۔۔۔۔مخلصانہ تجویز۔۔۔اور برادرانہ مشورہ ہے یہ ان کی طرف سے عائد کردہ الزامات واعتراضات اوران پر قائم کئے گئے ثبوت ودلائل کا گہری سنجیدگی سے جائزہ لیجئے اورانہیں صرف ایک معاصرانہ چشمک قرار دیکر خدارا نظرانداز نہ فرمایئے۔کیونکہ اس مقام پر آپکی ذراسی غفلت وبےتوجہی دونوں علمی طبقوں کے درمیان بہت بڑی خلیج پیدا کرسکتی ہے۔

(۱۰) گجرات،گوجرانوالہ اوربعض دیگر علاقوں کے اکابرین دعوت وتبلیغ ہمارے خاندانی مزاج سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ہم لوگ اختلاف برائے اختلاف کے کبھی بھی قائل نہیں رہے۔اوروہ اس حقیقت سے بھی مکمل طور پر باخبر ہیں کہ شروع دن سے آپ پر عائد کئے گئے الزامات واعتراضات کو منظرعام پر لانے کی نہ حضرت شیخ مدظلہ نے حوصلہ افزائی فرمائی اورنہ ہم نے بلکہ اپنے دائرہ اختیار کی حد تک ہم نے اس سلسلہ کوروکنے میں بھرپور کردارادا کیا۔اورشروع دن سے ہماری یہ کوشش رہی کہ ان اعتراضات کو پبلک کے اندر لانے کی بجائے چنداکابرعلماء کرام پر مشتمل ایک مجلس علمی کی نشست کی جائے جسمیں آپ کوبھی شرکت کی دعوت دی جائے۔تاکہ آپ خوداس مجلس

علمی کے سامنے اپنی صفائی پیش کرسکیں۔اور مجلس علمی کے اکابر علماء ثبوت و دلائل اور ان پر آپکی صفائی کو سامنے رکھتے ہوئے جو فیصلہ فرما دیں۔وہ فریقین کیلئے قابل قبول ہو جو چیزیں محض الزام ثابت ہوں تو آپ ان سے برائت و بیزاری کا اعلان کرسکیں اور جو الزام حقیقت و واقعیت سے تعلق رکھتے ہوں آپ ان کی اصلاح اور رجوع الی الحق کرسکیں۔خدا گواہ ہے کہ ہمیں اس بات کا کامل اطمینان تھا کہ آپ اکابر علماء کی مجلس علمی میں اپنی غلطیوں کے اعتراف اور انکی تلافی سے گریز ہرگز نہ کریں گے۔

لیکن بدقسمتی سے بعض جذباتی وجلد باز حضرات نے انہیں منظر عام پر لانے علماء کرام ومفتیان عظام تک پہنچانے اور رسائل و جرائد میں شائع کرنے میں کمال درجہ کی جلد بازی کا ثبوت دینے کا مظاہرہ کیا۔اس تیز رفتار سروس نے ہمارے تمام تر اصلاحی منصوبے آغاز سے قبل ہی انجام تک پہنچادیئے۔میں اس سلسلہ میں سب سے قصوار آپکے حلقہء درس میں شریک ان طلبہ کو جانتا ہوں۔جنہوں نے آپ کے دروس واسباق کی کیسٹیں مختلف علماء کرام اور مفتیان عظام کو سپلائی کیں اور پھر یہ سلسلہ پنجاب کی سرحد عبور کرتا ہوا پختون علاقوں تک پہنچا۔اور ہر طرف سے ٹیلی فون وموبائیل کھڑکنے لگے قطع نظر اس سے کہ اسمیں قصوروار کون تھا اس سلسلہ کو نہ ہمارے حضرات شیخ مدظلہ نے پسند کیا اور نہ ہم نے۔

لیکن اب صورتِ حال کافی حد تک تبدیل ہوچکی ہے۔۔۔تقریری بیانات کے مکمل خاکے تحریری الفاظ میں منظر عام پر آچکے ہیں۔ان بیانات کی کیسٹیں اور فوٹو کاپیاں پورے ملک میں گردش کررہی ہیں۔جسکی وجہ سے دیوبندی حلقہ میں دو بلاک بن چکے ہیں ایک آپ کے دفاع میں متحرک ہے اور دوسرا آپ کی مخالفت میں مقصد دونوں کا ایک ہی ہے۔ایک گروہ آپکی شخصیت کا دفاع کرکے مسلک اور جماعت کا دفاع کرنا چاہتا ہے۔جبکہ دوسرا گروہ آپ کی طرف منسوب نظریات کا رد کرکے مسلک اور جماعت کو شرور وفتن سے بچانا چاہتا ہے۔اس سے قبل کہ یہ ذہنی اختلاف کسی خوفناک تحریری وتقریری ٹکراؤ کی صورت اختیار کرلے ہماری آپ سے دست بستہ التجا ہے کہ خدارا ہوشمندی اور اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیجیئے۔اگر ایک فریق آپ کے خلاف ان الزامات کو منظر عام پر لاکر سنگین غلطی کا ارتکاب کرچکا ہے۔تو اب اگر آپ خاموشی اختیار کریں۔یا کوئی ادھوری وضاحت کریں یا الزامات سے واضح طور پر برات یا رجوع کا اعلان کریں تو آپ کی یہ غلطی پہلی غلطی سے بہت زیادہ سنگین ہوگی جس کا خمیازہ پورے مسلک اور جماعت کو بھگتنا ہوگا۔اُمید ہے آپ ان باتوں پر بڑے ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کرکے فیصلہ فرمائیں گے اسی میں آپ کی عظمت ہے۔خدا تعالیٰ آپ کا اور ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین یارب العالمین۔

معذرت:

اسی طویل تمہید پر میں آپ سے انتہائی معذرت خواہ اور معافی کا خواستگار ہوں آپ کی مصروفیات کا مجھے شدید احساس ہے۔لیکن اس تمہید کے بغیر شاید میں اپنا مافی الضمیر پوری طرح آپ کے سامنے واضح نہ کرپاتا۔اُمید ہے آپ میری مجبوری یا ضرورت جان کر درگزر فرمائیں گے۔

اب میں آپ پر عائد کردہ ان الزامات واعتراضات کی طرف آتا ہوں۔جو مختلف اطراف اور مختلف حلقوں کی طرف سے مطبوعہ

یا غیر مطبوعہ تحریرات کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔اوران الزامات کے حوالہ سے زبانی یا تحریری طور پر جو تبصرے ہمارے سامنے آئے ہیں۔یا خود ہمارے ذہن کے اندراس بارہ میں جواشکالات پیدا ہوئے ہیں ان کونقل کرنا بھی ہم نے ضروری خیال کیا ہے۔تا کہ آپ انہیں پیش نظر رکھ کر مناسب فیصلہ کرسکیں۔

ان الزامات و اعتراضات کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ۔۔۔بعض حلقوں کے نزدیک آپ ان تمام اعتراضات کو **سبحانک ہٰذا بہتان عظیم** اور **لعنتہ اللہ علی الکاذبین** قرار دیتے ہیں۔۔۔۔۔بعض حلقے ان الزامات کے حوالہ سے آپ کا رجوع نقل کرتے ہیں۔۔۔اور بعض حلقوں کے نزدیک آپ نے بعض الزامات سے براءت کا اعلان کیا ہے۔اور بعض سے رجوع کا۔۔۔۔اس اذیتناک صورتحال میں۔۔۔کونسا الزام غلط ہے؟۔۔۔کونسا مجمل ہونے کی بناء پر تفصیل طلب ہے؟۔۔۔۔۔کونسا درست ہونے کی صورت میں قابل اصلاح ہے؟۔۔۔۔۔کن سے براءت کا اعلان کرتے ہیں؟۔۔۔۔اور کن سے آپ رجوع کرتے ہیں؟۔۔۔یہ فیصلہ آپ نے اور صرف آپ نے کرنا ہے۔اس بارہ میں آپ سے بہتر فیصلہ کوئی بھی نہیں کرسکتا۔اس لئے ہم آپ کی طرف سے اس کے جواب کا پوری شدت کے ساتھ انتظار کریں گے۔

پہلا الزام: ''مذہبِ امام اعظم ابوحنیفہؒ مرجوح ہے،مگر ہمیں قبول ہے۔کیونکہ اب ہم دوبارہ تحقیق نہیں کرسکتے۔''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

ہمارے خیال میں ممکن ہے آپکی عبارت صرف مجمل ہونے کی وجہ سے غلط فہمی پیدا کررہی ہو۔اگر آپ کو اسکی تفصیل بیان کرنے کا موقع مل جاتا تو شاید کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہوتی۔۔۔۔یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کے مذکورہ الفاظ میں آپ کا مئوقف نہ ہو اور نہ آپ مذہبِ ابی حنیفہؒ کے مرجوح ہونے کے قائل ہوں۔آپ کے یہ الفاظ صرف اس غیر مقلد کو ٹالنے اور اس سے فضول وغیر ضروری بحث کرنے سے بچنے کی خاطر ہو۔کو غیر مقلد آپ سے خواہ مخواہ بحث کرکے آپ کا وقت ضائع کرنا چاہتا تھا۔جو کہ غیر مقلدین کی فطرت ہے۔

لیکن اگر بالفرض آپ پر یہ الزام امر واقعہ ہے۔اور آپ واقعی فقہ حنفی کو دیگر فقہی مذاہب (فقہ مالکی،فقہ شافعی،فقہ حنبلی) کے مقابلہ میں مرجوح و کمزور خیال کرتے ہیں تو پھر یقینا آپ غلطی پر ہیں۔کیونکہ ہمارے جملہ آئمہ احناف نے فقہ حنفی کو نہ صرف دیگر مذاہب پر اسکی ترجیح کی وجہ سے قبول کیا ہے۔بلکہ اس کے راجح مذہب ہونے پر بے شمار دلائل بھی دیئے ہیں اکابرین احناف کو فقہ حنفی کے راجح مذہب ہونے کا پورا یقین تھا۔اسکی تفصیل دیگر کتب کے علاوہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں جابجا موجود ہے۔چنانچہ ایک مقام پر حضرت امامؒ ربانی فرماتے ہیں کہ۔''اہل اسلام کا سوادِ اعظم ابوحنیفہؒ کا متبع و مقلد ہے۔جو اس کے دیگر مذاہب سے ممتاز اور حق ہونے کا ثبوت ہے''۔۔۔(مکتوب،دفتر دوم ص ٦٧)

حضرت امام ربانیؒ کا مذکورہ فرمان انتہائی قابل توجہ ہے۔وہ اپنے فرمان میں اس بات کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ جس طرح دیگر امتوں پر امت مسلمہ کی کثرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے باعث فخر ہے۔اور یہ امت مسلمہ کا دیگر اُمتوں پر امتیاز ہے۔اسی طرح امت مسلمہ کے اندر موجود فقہی مذاہب میں مقلدین فقہ حنفی کی کثرت امام اعظم ابوحنیفہ کیلئے باعث فخر اور فقہ حنفی کا دیگر مذاہبِ فقہ پر امتیاز ہے۔

دسویں صدی ہجری کے مجدد اور عظیم محدث حضرت شیخ علامہ ملا علی قاریؒ نے تو مرقات شرح مشکوٰۃ جلد۔۔ص۔۔میں فرمایا ہے۔کہ ہر دور میں مقلدین آئمہ اربعہؒ کے درمیان عددی تناسب کا جو فرق سامنے آیا ہے۔اس حوالہ سے ہر دور کے اندر اُمت مسلمہ کا ۷۰ فیصد طبقہ فقہ حنفی سے وابستہ رہا ہے۔اور اس وقت (پندرہویں صدی ہجری میں) بھی تناسب یہی ہے۔حضرمجدد الف ثانیؒ اپنے اسی مکتوب کے اندر حضرت خواجہ محمد پارساؒ کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ''فقہ حنفی اپنے دلائل و براہین کے اعتبار سے اتنی ٹھوس اور مضبوط ہے کہ'' حضر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جب قرب قیامت میں آسمان سے نزول فرما کر زمین میں چالیس سال خلافت کریں گے تو اجتہادی مسائل میں ان کا اجتہاد امام اعظم ابو حنیفہؒ کے اجتہاد کے موافق ہوگا۔(ایضاً۔مکتوب ۶۷)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے اسلاف کو فقہ حنفی کے راجح ہونے کا کس حد تک یقین واعتماد تھا۔اکابر کے اس یقین و اعتماد کو نظر انداز کر کے اس مذہب کو مرجوح خیال کرنا کسی تحقیق کا نتیجہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

دوسرا الزام: ''موجودہ دور میں چونکہ مسلمانوں کے پاس جہاد کی طاقت واستعداد موجود نہیں۔لہٰذا اس دور میں مسلمانوں پر جہاد ساقط ہے۔کیونکو طاقت کا دور کمزوری کے دور کیلئے دلیل نہیں بن سکتا۔طاقت واستعداد موجود نہ ہونے پر فرض عین ہونے کی صورت میں بھی جہاد ساقط ہر جاتا ہے۔''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

ہم انتہائی درد دل کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ مذکورہ یہی مؤقف ایک طویل عرصہ سے تبلیغی جماعت کے بعض بزرگوں اور نچلے طبقہ کے حوالہ سے مسلسل گردش کر رہا ہے۔جس کی صفائی دینے اور جماعت کی مرکزی قیادت کو اس سے بری الزمہ قرار دینے کیلئے ہم نے اپنی تمام توانائیاں صرف کیں۔بہت سے حضرات کی زبانیں بند کیں،متعدد لوگوں کے قلم روکے،لیکن اب بعینہ وہی مؤقف آپ جیسے ذمہ دار آدمی کی تقریر اور بیان میں سن کر ہمارے دلوں پر جو بیت رہی ہے۔اس کیفیت کا اندازہ آپ شاید نہ کرسکیں۔متعدد تبلیغی بزرگوں کے سامنے ہم سخت ونرم ہر قسم کے الفاظ ولہجہ میں یہ بات کر چکے ہیں کہ جب آپ کا دائرہ ءجدوجہد متعین ہے۔اس کیلئے بزرگوں نے چھ نمبر اور نصاب تک متعین کر دیے ہیں۔تو آخر بزرگوں کے متعین کردہ دائرہ سے باہر نکل کر دوسرے دینی محاذوں پر کام کرنے والوں پر تنقید یا ان کے کام کو غلط قرار دینے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ جہاد وقتال کا دائرہ دعوت وتبلیغ کے دائرہ سے قطعی مختلف ہے دعوت کیلئے جس قدر نرمی کی ضرورت ہے۔جہاد کیلئے شدت کا تقاضا اس سے شدید تر ہے۔میں نہیں سمجھتا کہ اپنے نصاب اور ہدف سے ہٹ کر گفتگو کرنا آخر کس کی خوشنودی کیلئے ہے؟

آپ کا نکتہ نظر یہی ہے یا اس سے مختلف؟ اس کی وضاحت تو آپ ہی کر سکتے ہیں۔لیکن ہم اس نکتہ نظر کو بہر حال درست تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ۔۔۔۔۔جہادِ اقدامی۔۔۔اور جہادِ دفاعی۔۔۔۔۔کے درمیان شرعی وعقلی فرق کو اس مقام پر ملحوظ نہیں رکھا جارہا۔۔۔کفار پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے جہاد کرنا۔۔۔اور کفار کے غلبہ سے بچنے کیلئے جہاد کرنا۔۔۔۔بہر حال دو مختلف نوعیتیں ہیں۔اور دونوں کے درمیان فرق کرنا بھی ناگزیر ہے۔کیسے ممکن ہے کہ دونوں کے احکاماتِ شرعیہ ایک جیسے ہوں۔یہ تو عقلاً بھی محال ہے۔کیونکہ خودکسی کے

ساتھ جنگ لڑنے کیلئے تو طاقت واستعداد کا موجود ہونا سمجھ آتا ہے۔لیکن خود پر مسلط کردہ جنگ کیلئے طاقت واستعداد کا انتظار کرنا نا قابل فہم ہے۔اس وقت تو موجود ومیسر طاقت کو بروئے کار لا کر اپنی سرزمین اور اپنی عزت وآبرو کو بچانے کیلئے کچھ کر گزرنا ہی فطرت وعقل کا تقاضا ہے۔کیا افغان مسلمانوں نے پسٹلوں، ریوالوروں، بندوقوں، اور ان جیسے چھوٹے ہتھیاروں سے روسی افواج کی ایٹمی یلغار کو نہیں روکا؟ کیا فلسطینی مسلمان بچوں نے غلیلوں کے ساتھ اسرائیلی ٹینکوں کا طوفان نہیں روکا؟ کیا خداوند کائنات نے بے سروسامانی کی حالت میں بھی ان کی مدد نہیں کی؟

کیا یہ حیرت انگیز تضاد نہیں ہے کہ جب دعوت کیلئے لوگوں کو بلایا جائے تو ان سے کہا جائے اللہ پر توکل کر کے نکلو گھر والوں کو خدا کے بھروسہ پر چھوڑو، بیوی بچوں کو خدا کے آسرے پر چھوڑو اپنے تمام حقوق وامور خدا پر چھوڑو۔۔۔لیکن جب جہاد کی بات آئے تو پہلے طاقت پیدا کرو اور، اپنے اندر استعداد پیدا کرو۔۔۔کیا یہ طرز فکر کا دوہرا معیار نہیں۔ہے؟ کیا یہ دو خداؤں کا تصور نہیں ہے؟۔۔۔دعوت وتبلیغ والوں کا خدا اور ہے جو بڑا رحیم وکریم ہے۔تبلیغ کیلئے نکلنے والوں کے جملہ امور وحقوق ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے۔۔۔اور جہاد وقتال والوں کا خدا جدا ہے۔۔۔جو بڑا بے رحم ہے۔۔۔العیاذ باللہ تعالیٰ اس وقت تک ان کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنے لئے طاقت واستعداد پیدا نہ کرلیں یہ کتنا بھیانک طرزِ فکر ہے؟ بعد المشرقین سے بڑھ کر تضاد ہے اس کے اندر اگر سمجھ آسکے تو۔

کیا اس سے بڑھ کر کوئی مضحکہ خیز بات ہوگی کہ کفار۔۔۔اسلامی ملک کے اندر گھس کر مسلمانوں کی گردنیں کاٹ رہے ہوں،۔۔ بمباری، میزائلوں اور ڈرون حملوں کے ذریعہ نہتے مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہوں۔۔۔مسلم خواتین کی آبروریزی کر رہے ہوں۔۔ مساجد کی بے حرمتی کر رہے ہوں۔۔۔مدارس کو ویران کر رہے ہوں۔۔۔مسلم حکمران بزدل وبے غیرت ہو چکے ہوں۔اور اسلام کے داعی یہ سبق دے رہے ہوں۔۔کہ ابھی میدان میں مت نکلو۔ابھی اپنے پاس موجود ہتھیار مت اُٹھاؤ۔ابھی دشمن کا ہاتھ روکنے کی کوشش مت کرو۔۔ابھی انتظار کرو۔۔گھر میں آرام کرو۔نمازیں پڑھو۔تسبیحات کا وظیفہ کرو۔۔دعوت وتبلیغ کیلئے نکلو۔۔اور جب تک طاقت و استعداد پیدا نہ ہوجائے اس وقت تک جہاد فرض عین ہو کر بھی ساقط ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس عجیب وغریب فلسفہ کو نہ ایمان قبول کرتا ہے۔نہ عقل۔۔اور نہ ضمیر میں چند لمحوں کیلئے اگر آپ کے اس نا قابل قبول نقطۂ نظر سے اتفاق کرلوں تو چند سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔اگ آپ ان کے تسلی بخش جواب عنایت فرما سکیں تو ممنون ہوں گا۔

فلسطین ! پر قوم یہود نے قوم نصاریٰ کی معاونت کے ذریعہ جس عیاری ومکاری کے ساتھ قبضہ کیا ہے۔او امریکہ وبرطانیہ کی مسیحی طاقتوں کے تعاون سے اپنی ایک مضبوط جنگی طاقت تیار کرلی ہے۔فلسطینی مسلمانوں کے پاس اس کا مقابلہ کرنے کیلئے نہ عسکری قوت موجود ہے اور نہ سیاسی استعداد ان کی حکومتی قیادت غیر ملکی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے میں مصروف ہے۔دیگر عرب ممالک کی حکومتیں خود غرضی اور مفاد پرستی کے خول میں بند ہیں۔یہودی مسجد اقصیٰ پر اپنا قبضہ مضبوط ومستحکم کرنے کیلئے مسلسل جارحانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور ان کی جارحیت دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔وہ آئے دن عسکری قوت استعمال کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے جہادی گروہ بے سروسامانی اور جدید عسکری طاقت کی عدم دستیابی کے باوجود جہاد کے ذریعہ مدافعت کا جریضہ سرانجام دے رہے ہیں ان

حلات میں آپ سے انتہائی مئودبانہ سوال ہے کہ فلسطینی مسلمانوں کا یہ جہاد صحیح ہے یا غلط؟۔۔انہیں مسجد اقصیٰ آزادی اور اپنے خطہ کے دفاع کیلئے دستیاب طاقت کو استعمال میں لا کر یہ فریضہ سرانجام دیتے رہنا چاہئے یا اس طاقت و استعداد کا انتظار کرنا چاہئے۔جسکی بظاہر کوئی صورت ممکن نظر نہیں آتی؟

کشمیر: پر ہندو سامراج نے جس طرح غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ اور وہاں کے مسلمانوں کو انسانی و مذہبی حقوق، بلکہ حق خودارادیت تک سے محروم کر رکھا ہے۔ان حالات میں کشمیری قوم کے چند جہادی گروہ یا حریت پسند جو جنگ لڑ رہے ہیں، وہ درست ہے یا غلط؟ کیا انہیں اپنے وطن کی آزادی کیلئے یہ جنگ جاری رکھنی چاہئے یا اس طاقت و استعداد کا انتظار کرنا چاہئے جس کے دور دور تک کوئی آثار نظر نہیں آرہے؟اور کیا اس انتظار میں انڈین آرمی کی گرفت کشمیر پر مزید مضبوط تو نہیں ہو جائیگی؟

افغانستان: کے اندر روسی افواج کے داخلہ کے بعد وہاں کی مقامی جہادی تنظیموں اور بیرونی مجاہدین کے ان سے تعاون کا اقدام،اور روسی افواج کے خلاف ان کا جہاد صحیح تھا یا غلط؟ جبکہ وقت یہ ثابت بھی کر چکا ہیکہ مجاہدین کا وہ اقدام سو فیصد درست تھا۔اور ان کے اس اقدام نے سوویت یونین کے بخئے ادھیڑے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر افغانستان کے جہادی گروہ بے سروسامانی اور طاقت و استعداد کے موجود نہ ہونے کے باوجود جہادی قدم نہ اُٹھاتے تو کیا اس وقت افغانستان آزاد ہو سکتا؟۔۔کیا وہاں طالبان کی اسلامی خلافت کا قیام عمل میں آسکتا؟اور کیا سوویت یونین کا شیرازہ بکھر سکتا؟۔۔کیا یہ جہاد ہی کی برکات نہ تھیں؟

عراق: کے خلاف بھی جوہری مواد چھپانے کے جھوٹے اور من گھڑت الزامات عائد کر کے امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے اپنی فوجیں عراق میں داخل کر دیں، جو تا حال عراق کے اندر موجود ہیں۔ اور آئندہ طویل مدت تک ان کی واپسی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ان حالات میں عراق کے جہادی گروہ آزادی و حریت کی جو جنگ لڑ رہے ہیں وہ جنگ صحیح ہے یا غلط؟۔۔۔کیونکہ یقیناً ان کیساتھ امریکن، جرمن، برٹش اور فرانسیسی افواج اور انکی جنگی ٹیکنالوجی کا مقابلہ کرنے کیلئے طاقت و استعداد موجود نہیں۔۔۔کیا وہ اپنی جہادی سرگرمیاں جاری رکھیں یا ان سرگرمیوں کو ترک کر کے اس طاقت و استعداد کا انتظار کریں جو فی الوقت صرف ایک خواب و خیال کی حیثیت رکھتی ہے؟

میرے انتہائی قابل احترام بھائی یہ تو چند مثالیں صرف وہ ہیں جن کے منظر وپسِ منظر سے تقریباً پوری دنیا واقف ہے۔اور ہم نہیں جانتے کہ ان علاقوں میں جہادی گروہ جو جہادی سرگرمیاں سرانجام دے رہے ہیں وہ غلط اور دین و اسلام کے خلاف ہوں۔۔۔اگر آپ کے نزدیک ان کی سرگرمیاں غلط ہیں تو خدارا ان کیلئے کوئی متبادل راستہ ضرور بتا دیجئے،جس سے ان کو آگاہ کیا جاسکے۔

معذرت کے ساتھ:

اس مقام پر انتہائی معذرت کے ساتھ میں ایک غیر مناسب سوال کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ۔۔۔آپکے فکر وفلسفہ کے مطابق بغیر طاقت و استعداد کے جہادِ فرض عین بھی ساقط ہے۔اب اس طاقت و استعداد کا صرف انتظاار کرنا ضروری ہے یا عملی طور پر اس کے

حصول کی کوشش کرنا بھی کوئی فریضہ ہے؟ ۔۔۔اگر اس کے حصول کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے اور واقعتاً ضروری ہے تو آپ صرف انتظار کی دعوت دے رہے ہیں یا اس کے لئے کوئی عملی کوشش بھی جاری ہے؟ اُمید ہے کہ آپ اس سوال کو محسوس نہیں فرمائیں گے۔

محترم: آپ یا تبلیغی جماعت کے بعض حضرات کے اس طرز فکر کے بہت سے نقصانات سامنے آرہے ہیں۔

پہلا یہ کہ جہادی ذوق وجذبہ رکھنے والے طبقات جماعت سے کٹتے جارہے ہیں۔اور اس وقت دو آوازیں بالکل مقابل و آمنے سامنے آرہی ہیں۔پہلی یہ کہ اسلحہ نہیں بستر اُٹھاؤ۔۔۔دوسری یہ کہ بستر نہیں کلاشن اُٹھاؤ۔ یہ دونوں آوازیں بہت خطرناک ہیں۔کیونکہ بستر اور اسلحہ دونوں اپنے اپنے مقام پر اہمیت کی ءحامل ہیں۔دونوں میں سے کسی ایک کی بھی نفی اسلام اور مسلمان دونوں کیلئے زہر قاتل ہے۔

دوسرا یہ کہ جماعت کا بالکل جاہل طبقہ اس نکتہ نظر کا بڑا ہی مہلک اثر لے رہا ہے۔اس اثر کا اندازہ آپ اس واقعہ سے بخوبی کرسکیں گے کہ اپنے ہی علاقہ میں ایک مسجد کے اندر جمعہ پڑھانے کیلئے میں نے ایک خطیب بھیجا جس نے اپنے ذہن کے مطابق موضوع منتخب کر کے جہاد کی اہمیت وفرضیت پر تقریر کردی۔خطبہ جمعہ کے بعد اسی مسجد سے تعلق رکھنے والے ایک تبلیغی ساتھی نے خطیت کو بٹھا کر جو لیکچر دیا وہ یہ تھا کہ''جہاد کے موضوع پر تقریر نہ کیا کریں۔اگر لوگ جہاد پر چلے گئے تو اللہ کے راستہ میں کون نکلے گا''

محترم! اس جملہ پر غور کیجئے۔اور یہ جملہ کہنے والا شبِ جمعہ یا سہ روزہ والا تبلیغی نہیں، بلکہ فنا فی التبلیغ ہے۔لیکن ہے چٹا(کورا) ان پڑھ۔ اسکی جہالت کو سامنے رکھتے ہوئے تو جملہ کسی توجہ کا مستحق نہیں۔لیکن اس کے جماعت کے ساتھ گہرے تعلق کی بنا پر یہ بات ذہن میں ضرور آتی ہے کہ اسکی یہ ذہن سازی کہاں ہوئی؟

تیسرا الزام:

''علماءِ دیوبند نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیکر غلطی کی،جسکی وجہ سے بعد میں انہیں مفرور ہونا پڑا کیونکہ ان کے پاس جہاد کی طاقت واستعداد موجود نہ تھی''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

ہمارے خیال میں اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ غلط وخلاف حقیقت تصور شاید اس لئے بیٹھ گیا ہے کہ آپ برصغیر پاک وہند کی مسلم تاریخ سے پوری طرح واقف وباخبر نہیں ہیں۔اس لئے میں آپکی توجہ تاریخ برصغیر کے چند حقائق کی طرف دلانی چاہتا ہوں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی: آپ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے حالات وواقعات کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کریں تو آپ پر یہ حقیقت پوری طرح واضح وآشکار ہوجائیگی کہ۔۔یہ جنگ پانچ سو علماء کرام کے متفقہ فتوٰی جہاد کی بنیاد پر لڑی گئی، چند علماء کو شرعی طور پر تردد تھا۔اور چند علماء کمزوری کا مظاہرہ کررہے تھے۔اکثر علماء نے فتوٰی پر دستخط کردیئے تھے۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسبِ ضرورت جنگی طاقت واستعداد موجود تھی۔۔۔تاریخی حقائق اس صورتِ حال کو پوری طرح آشکارا کرتے ہیں کہ یہ جنگ کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں

بلکہ چند خودغرض، ملت فروش منافقین کی منافقت اور غداری کی وجہ سے ہاری گئی۔۔۔۔دہلی و شاملی اور بعض دیگر علاقوں پر مجاہدین کا قبضہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔لیکن چند غداروں کی غداری نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔اور ملت فروشی وغداری کی یہ شرمناک داستان تو اتنی طویل ہے کہ منافقین کے منحوس وجود سے نہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محفوظ تھا اور نہ عہد خلافت راشدہؓ۔۔۔۔مجاہدین کی کمزوری اور منافقین کی غداری کے درمیان فرق تو بہر حال کرنا ہوگا۔ کیونکہ کمزوری کا راستہ جدا ہے اور غداری کا الگ۔

تحریک بالاکوٹ: پھر اگر آپ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی بیک گراؤنڈ پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو اس کی فرنٹ لائن پر تحریک بالاکوٹ کی باقیات ہی نظر آئیں گی۔ گویا یہ جنگ اسی تحریک بالاکوٹ کا تسلسل تھا جو اس جنگ کے صرف ۲۶ سال قبل پہلے ۱۸۳۱ء میں اپنے دور اول کے اختتام کو پہنچی۔یعنی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اسی کے دورِ ثانی کا اختتام تھا۔اس معرکہ بالاکوٹ میں امیر المجاہدین حضرت سید احمد شہیدؒ اور شہید فی سبیل اللہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے اپنے سینکڑوں رفقاء سمیت جام شہادت نوش کیا اس جہادی تحریک کے حقائق وواقعات پر اگر اپ نظر ڈالیں گے تو ان میں چار چیزیں بڑی اہم محسوس ہوں گی۔

پہلی یہ کہ یہ جہادی تحریک اپنی تمام تر بے سروسامانیوں کے باوجود اس وقت کی دو استدادی قوتوں کے خلاف اٹھی جن دونوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا تھا۔۔۔۔ایک فرنگی سامراج کی قوت جو اقتدارِ دہلی پر اپنا تسلط قائم کر چکی تھی اور دوسری خالصہ حکومت جو ملتان سے خیبر تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ تحریک بالاکوٹ ان دونوں استعماری واستبدادی قوتوں کے خلاج اُٹھائی تھی۔اگر چہ اس کی پہلی پنجہ آزمائی راجہ رنجیت سنگھ کی خالصہ حکومت سے ہوئی۔

دوسری یہ کہ اس تحریک جہاد کے جواز کیلئے سب سے پہلا فتوٰی سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے دیا۔جسمیں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا گیا۔اور یہی فتوٰی تحریک بالاکوٹ کی بنیاد بنا۔

تیسری یہ کہ اس تحریک کی بنیادی قیادت بھی خود حضرت شاہ عبدلعزیز دہلویؒ نے منتخب وفراہم کی خود اپنی نگرانی میں اسے جنگی تربیت دلوائی خود اپنی خصوصی ہدایات اور دعاؤں کے ساتھ اسے رخصت کیا۔اس تحریک کے تینوں بڑے راہنما حضرت شاہ عبدالعزیز کے منتخب کردہ اور تربیت یافتہ تھے۔یعنی۔۔۔حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ شاہ عبدلعزیز کے پوتے حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ۔۔اور شاہ عبدالعزیز کے داماد حضرت مولانا عبدالحی بڈھانویؒ

چوتھی یہ کہ اس جماعت مجاہدین نے اٹک، نوشہرہ، چارسدہ، پشاور اور ہزارہ کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کر کے اسلامی خلافت قائم کر لی تھی، اور بالاکوٹ کے علاقہ میں ڈیرے ڈال چکے تھے۔ جہاں سے گڑھی حبیب اللہ کے راستہ مظفر آباد آزاد کشمیر تک پہنچنے کی تیاریاں کی جارہی تھیں۔کہ بعض غداروں نے دشمن کو بالاکوٹ کے خفیہ راستوں سے آگاہ کر دیا اور دشمن ان خفیہ راستوں سے بالاکوٹ میں داخل ہو گیا۔جسکی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ یہاں بھی مجاہدین کی شکست کا باعث انکی کمزوری نہ تھی بلکہ غداروں کی غداری اور منافقوں کی منافقت تھی

معرکہ میسور: معرکہ بالاکوٹ (۱۸۳۱ء) سے تقریباً ۳۲ سال قبل ۱۸۹۹ء میں جنگ میسور پیش آئی جسمیں فرنگی سامراج اور اسکی اتحادی افواج کے ہاتھوں شیر میسور سلطان فتح علی ٹیپوؒ شکست کھا کر شہید ہو گئے تاریخ برصغیر کو ایک عام طالب علم بھی جانتا ہے کہ سلطان ٹیپو شہیدؒ اور ان کے والد سلطان حیدر علیؒ ایک طویل مدت تک فرنگی سامراج کا مقابلہ کرتے رہی ء۔ اور انہوں نے متعدد میدانوں میں فرنگی کو عبرتناک شکست دی ان کے پاس سلطنت خداداد میسور اسلام کے ایک مضبوط قلعہ کی صورت میں موجود تھی۔ تربیت یافتہ فوج اور کثیر مقدار میں اسلحہ بھی موجود تھا لیکن اس کے باوجود انہون نے جو شکست کھائی تو اسکی وجہ انکی کمزوری نہ تھی بلکہ نواب آف حیدر آباد میر نظم علی خان اور میر صادق و میر معین الدین جیسے غدار تھے۔

جنگ پلاسی: معرکہ میسور ۱۸۹۹ء سے تقریباً ۶۲ سال قبل ۱۸۵۷ء میں پلاسی کا محاز گرم ہوا جسمیں فرنگی سامراج کے ہاتھوں نواب سراج الدولہؒ شکست کھا کر شہید ہو گئے۔ اور کون نہیں جانتا کہ نواب علی وردی خانؒ اور ان کے نواسے نواب سراج الدولہ شہیدؒ نے ایک طویل عرصہ تک بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی عسکری قوت کو روکے رکھا جس کا انجام جنگ پلاسی پر ہو۔ اور اس جنگ میں بھی شکست کا سبب نواب سراج الدولہؒ کی فوجی کمزوری نہیں بلکہ میر جعفر و میر قاسم جیسے غداروں کا وہ منافقانہ و شرمناک کردار تھا۔ جس کا تذکرہ شاعر مشرق مفکر پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے اس شعر میں کیا ہے کہ۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگ ملت، ننگ دین، ننگ وطن

غرضیکہ فرنگی سامراج کے خلاف جو معرکے لڑے گئے ان میں شکست مجاہدین کی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ منافقین کی غداری کے سبب ہوئی۔ یہ وجہ ہے کہ ہمارے اکابر کو اپنے جہادی طرز جدوجہد پر نہ کبھی ندامت ہوئی اور نہ کبھی ان کو اس پر معذرت خواہانہ طرز اختیار کرنا پڑا بلکہ انہوں نے ہمیشہ اپنے اسلاف و اکابرین کی اس جدوجہد کو باعث فخر ہی جانا اور اگر آپ ناراضگی محسوس نہ فرمائیں تو ماضی قریب کے میدانوں میں مجاہدین کی شکست کا باعث اتنا وہ غدار و منافقین نہ تھے جتنا وہ بزدل علماء تھے جنہوں نے مجاہدین کی حوصلہ شکنی کرنیکی کوشش کی کبھی انہیں حالات کی نزاکت سے ڈرایا اور کبھی دشمن کی طاقت سے کبھی انہیں قوت کی کمزوری کے طعنے دیئے اور کبھی استعداد کی کمی کے۔ حتیٰ کہ ان بزدل و بے غیرت علماء نے انہیں فسادی تک قرار دینے سے گریز نہ کیا۔ خود بزدلی کی وجہ سے میدان جنگ میں جانے کا حوصلہ نہ تھا لیکن اپنی بزدلی کو چھپانے کیلیئے مجاہدین کی کاوشوں کو نشانہ بنا ڈالا۔

قیامِ دارالعلوم دیو بند: باقی رہی یہ بات کہ شکست کے بعد ان علماء کو مفرور ہونا پڑا تو میں نہیں سمجھتا کہ آپ ان پر پھبتی کس رہے ہیں یا خود کم علمی کا شکار؟ کیونکہ آپ جیسے ذہین فطین اور صاحب مطالعہ شخص کے اس حقیقت سے بے خبر و نا آشنا ہونے پر یقین نہیں آتا کہ بسا اوقات بدلتے جنگی و سیاسی حالات کی بناء پر راہ فرار اختیار کرنا بھی جنگی حکمتِ عملی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کیلیئے اگر آپ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عہد صحابہؓ اور اس کے بعد کی تاریخ اسلامی کی جنگوں کا گہری نظر سے مطالعہ فرما لیتے تو یقینا آپ کو یہ پھبتی کسنے کی ضرورت پیش نہ آتی اور جہاں تک ۱۸۵۷ء کے اکابر علماء کے فرار ہونے، روپوش رہنے یا عدم تشدد کا راستہ اختیار کرنے کا تعلق ہے تو اس سے بھی جنگی حکمت عملی

تبدیل کرنا مقصود تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے تقریباً ۹ سال بعد ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء جب حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی تو اس موقع پر فرمایا کہ

''یہ مدرسہ آزادی کی چھاؤنی ہے۔ جس پر تعلیم کا پردہ ڈال دیا گیا ہے اس چھاؤنی کے تیار کردہ مجاہدین کی جدوجہد سے انشاء اللہ العزیز یہ ملک ہندوستان آئندہ ۷۵ سے قبل غیر ملکی غلامی سے آزاد ہوگا''

حضرت نانوتویؒ کے اس فرمان سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے صرف طرز جدوجہد تبدیل کیا ورنہ مدرسہ کا قیام جہادی جدوجہد سے علیحدگی کیلئے ہرگز نہ تھا۔ بلکہ اس سے صرف جہادی حکمت عملی تبدیل کرنی مقصود تھی۔ اور اس کے بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت نانوتویؒ کی پیشن گوئی کے عین مطابق دالالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ وتربیت یافتہ مجاہدین علماء کی جدوجہد اور انکی سیاسی خدمات کی بناء پر فرنگی سامراج ہندوستان سے اپنے دوسوسالہ اقتدار سے دستبردار ہو کر یہاں سے واپس جانے پر مجبور ہوا۔

یہاں میں انتہائی معذرت کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں امت مسلمہ پر دو قسم کی بڑی ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں۔۔۔ پہلی اشاعت دین کی۔۔۔ دوسری حفاظت دین کی۔۔۔ جبکہ تیسری بڑی ذمہ داری غلبہء دین کو میں اس مقام پر قصداً نظرانداز کر رہا ہوں قرآن وسنت سے حقیقی واقفیت وآشنائی رکھنے والا ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اشاعت دین کے لئے دعوت وتبلیغ کا فریضہ امت کے سپرد کیا گیا ہے۔ اور حفاظت دین کیلئے جہاد وقتال کا۔۔۔ قرآنی ونبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ۔۔۔ دعوت وتبلیغ کے ذریعے من جانب اللہ ہدایت ملتی ہے۔ اور جہاد وقتال کے ذریعہ من جانب اللہ نصرت حاصل ہوتی ہے۔ آپ اگر امت مسلمہ کی ان ذمہ داریوں کے حوالہ سے اسلامی واقعات پر توجہ فرمائیں گے تو یہ حقیقت آپ پر پوری طرح منکشف ہو جائیگی۔ اسی لئے دیگر اسلاف دیوبند کی طرح حضرت شیخ مدظلہ کی بھی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اپنے پسندیدہ دینی شعبوں میں کام کرنے والے تمام دینی طبقات دوسروں کی نفی کئے بغیر اپنی اپنی جدوجہد جاری رکھیں تو بہت جلد اس کے اچھے نتائج سامنے آسکتے ہیں اسلام کی اشاعت وحفاظت کے حوالہ سے درج ذیل چند واقعات ملاحظہ فرمائیے۔

مکی و مدنی دور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرہ سال تک مکہ مکرمہ کے اندر دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے سوئے دین کی اشاعت کی۔۔۔ اور پھر ہجرت کے بعد دس سالہ مدنی دور میں مدینہ منورہ کے اندر جہاد کے ذریعہ دین کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا۔ اب اگر کوئی فرد یا کوئی طبقہ اپنی پوری زندگی کو ایک ہی فریضہ کی ادائیگی میں صرف کر دے تو یقینا کامل اتباع سنت کا نام اسے نہیں دیا جا سکتا۔ اور اگر تقسیم کار کے حوالہ سے دعوتی، تعلیمی اور جہادی ذمہ داریوں کو باہم تقسیم کر لیا جائے اور ایک دوسرے کی معاونت یا اعترافِ خدمات کا ذہن دیا جائے تو یہ مشترکہ جدوجہد کامل اتباع سنت قرار دی جا سکتی ہے۔

ہندوستان میں اسلام کی آمد: ہندوستان کے اندر مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ تو عہد خلافت راشدہؓ میں شروع ہو چکا تھا۔ لیکن اسلام کی باقاعدہ آمد جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ اس قوت سے ہوئی جب اسلام کے عظیم جرنیل محمد بن قاسمؒ پہلی صدی ہجری کے آخری عشرہ میں سندھ کے راجہ داہر کو شکست دیکر ملتان تک پہنچے وہ تو جہاد کے ذریعہ ان مفتوحہ اور مقبوضہ علاقوں میں اسلامی اخلاق وکردار اور دینی تعلیمات کا

ایک انمول نمونہ چھوڑ کر بعض سیاسی مجبوریوں کی بنا پر واپس تشریف لے گئےلیکن اسلام قبول کرنے والے مسلمان بعد میں ہندو راجوں مہاراجوں کے ظلم وبربریت کی چکی میں پسنے لگے۔

علی ہجویریؒ ومحمود غزنویؒ: پانچویں صدی ہجری میں اشاعت اسلام کا برصغیر میں دوسرا دور شروع ہوا۔تو بدرالعلماء حضرت شیخ محمد اسماعیل لاہوریؒ اور سرتاج الاولیاء حضرت علی ہجویریؒ جیسے بزرگ ہندوستان میں تشریف لائے اور اشاعت اسلام کا فریضہ سرانجام دیا۔ جبکہ مسلمانانِ برصغیر کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے سلطان محمود غزنویؒ ہندوستان پہنچے اور ہندو راجوں مہاراجوں کو شکست دیکر ہندوستان کے اندر اسلام کی شوکت وحکومت قائم کی۔

خواجہ اجمیریؒ وسلطان غوریؒ: اس کے بعد چھٹی صدی ہجری میں امام الاتقیاء حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اشاعتِ اسلام کے لئے دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دینے کی خاطر ہندوستان تشریف لائے۔اوران کی دعوت پر لاکھوں ہندو مسلمان ہوئےلیکن جب اسلام اور مسلمانوں کی یہ بڑھتی ہوئی ترقی دیکھ کر اجمیر کے راجہ پرتھوی راج نے حضرت خواجہ اجمیریؒ اوران کے مسلمان مریدین پر زمین تنگ کرنی شرع کردی اور دعوت وتبلیغ کے راستے مسدود کردیئے تو حضرت خواجہ اجمیریؒ نے حفاظت دین کے لئے افغانستان سے سلطان شہاب الدین محمد غوریؒ کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ان کی دعوت پر سلطان غوریؒ نے ہندوستان پر متعدد حملے کئے اور بالآخر راجہ پرتھوی راج کو شکست دیکر اسے گرفتار کیا اور قتل کیا۔اس طرح انہوں نے حفاظت دین کا فریضہ سرانجام دیا۔

شاہ ولی اللہؒ اور احمد شاہ ابدالیؒ: سلطان اورنگزیب عالم گیرؒ کے بعد جب مغل شہزادے حصول اقتدار کی جنگ میں مصروف ہو گئے اور آمنے سامنے آ گئے تو مرہٹوں نے اپنی فوجی قوت جمع کرنی شروع کردی اس طرح اقتدار دہلی پر سے مسلمانوں کی گرفت ختم ہوتی محسوس ہونے لگی۔ یہ صورت حال امام الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کیلئے بڑی پریشان کن تھی چنانچہ انہوں نے افغانستان کے شیر دل سردار احمد شاہ ابدالیؒ کو ہندوستان کے مسلم اقتدار کو بچانے اور مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی قوت کا راستہ روکنے کیلئے ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی دعوت پر وہ ہندوستان تشریف لائے اور پانی پت کے تیسرے معرکہ میں مرہٹوں کو عبرتناک تاریخی شکست دیکر حفاظت اسلام کا فریضہ سرانجام دیا۔

غرضیکہ یہ ایک مسلمہ اسلامی وتاریخی حقیقت ہے کہ جس طرح اشاعتِ دین کیلئے دعوت وتبلیغ ہر دور کی ضرورت رہی ہے۔اسی طرح حفاظت دین کیلئے جہاد وقتال بھی ہر زمانہ کا تقاضا رہا ہے۔اور ہر دور کے داعیان اسلام نے نہ صرف اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے بلکہ عملاً اس کیلئے کوشش بھی کی ہے۔اسلام کی چودہ سوسالا تاریخ کے اندر کسی مرحلہ میں بھی اشاعت اسلام کا فریضہ سرانجام دینے والے داعیان اسلام نے حفاظت اسلام کا فریضہ سرانجام دینے والے مجاہدین اسلام کی اہمیت وضرورت اور انکی جہادی خدمات سے صرف نظر نہیں کیا۔شاید اسی وجہ سے کچھ لوگوں کے ذہن اس تشویش وخطرات میں مبتلا ہیں کہ اس وقت تبلیغی جماعت کے اندر اسلام دشمن قوتوں کے کچھ ایجنٹ اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کیلئے انتہائی غیر محسوس طریقہ سے گھسنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ جو ایک طرف جماعت کو اس کے اہداف و مقاصد سے دور کردینا چاہتے ہیں۔اور دوسری طرف جماعت کی آڑ میں جہاد وقتال جیسے اہم فریضہ کے خلاف مسلمانوں کے دلوں میں

نفرت پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ حالانکہ قرآنِ حکیم کے احکامات وفرامین پر اگر غور کیا جائے تو وہ جہاد وقتال کو ہی حفاظت دین کا سب سے بڑا ذریعہ قرار دیتا ہے چنانچہ فرمان الٰہی ہے کہ

۔"ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضہم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوٰت و مساجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیرا و لینصرن اللّٰہ من ینصرہ ان اللّٰہ لقوی عزیز" (پارہ ۱۷۔ الحج۔ ۴۰)

اور اگر ہٹا دیا نہ کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے تو ڈھائے جاتے تکئے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت اور اللہ مقرر مدد کرے گا اسکی جو مدد کرے گا اسکی بیشک اللہ زبردست ہے، زور والا۔۔۔۔۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

اسی آیت کریمہ کے حاشیہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ "یعنی اگر کسی وقت اور کسی حالت میں بھی ایک جماعت کو دوسری جماعت سے لڑنے بھڑنے کی اجازت نہ ہوتو یہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ فطرت کی سخت خلاف ورزی ہوگی۔ اس نے دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ ہر چیز یا ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز یا شخص یا جماعت کے مقابلہ میں اپنی ہستی برقرار رکھنے کیلئے جنگ کرتی رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنی حمایت میں لیکر بدی کے مقابلہ میں کھڑا نہ کرتا تو نیکی کا نشان زمین پر باقی نہ رہتا۔ بد دین اور شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے تمام مقدس مقامات اور یادگاریں ہمیشہ کیلئے صفحہ ہستی سے مٹا دیتے۔ کوئی عبادت گاہ تکیہ، خانقاہ مسجد، مدرسہ، محفوظ نہ رہ سکتا، بنائً علیہ ضروری ہوا کہ بدی کی طاقتیں خواہ کتنی ہی مجتمع ہو جائیں قدرت کی طرف سے ایک وقت آئے جب نیکی کے مقدس ہاتھوں سے بدی کے حملوں کی مدافعت کرائی جائے اور حق تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرنے والوں کی خود مدد فرما کر ان کو دشمنانِ حق وصداقت پر غالب کرے بلاشبہہ وہ ایسا قوی اور زبردست ہے کہ اس کی اعانت وامداد کے بعد ضعیف سے ضعیف چیز بڑی بڑی طاقت ور ہستیوں کو شکست دے سکتی ہے۔ بہرحال اس وقت مسلمانوں کو ظالم کافروں کے مقابلہ میں جہاد وقتال کی اجازت دینا اسی قانونِ قدرت کے ماتحت تھا۔ اور یہ عام قانون ہے جس کا انکار کوئی عقلمند نہیں کرسکتا۔ اگر مدافعت وحفاظت کا یہ قانون نہ ہوتا تو اپنے اپنے زمانہ میں عیسائی راہبوں کے سومعے (کوٹھڑے) قائم رہتے نہ نصاریٰ کے گرجے، نہ یہود کے عبادت خانے اور نہ مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر بڑی کثرت سے ہوتا ہے۔ یہ سب عبادت گاہیں گرا کر اور ڈھا کر برابر کر دی جاتیں۔ پس اس عام قانون کے ماتحت کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کو ایک وقتِ مناسب پر اپنے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔ (تفسیر عثمانی ص ۴۳۶)

علامہ عثمانیؒ کے اس طویل حاشیہ کے اندر دو چیزیں بہت حد تک واضح ہیں۔۔۔۔۔ پہلی یہ کہ اگر جہاد وقتال کا فریضہ امت کے سپرد نہ ہوتا تو یہ قدرت کے قانونِ فطرت کے خلاف ہوتا۔ پھر نہ مدارس محفوظ رہتے اور نہ خانقاہیں، نہ عبادت خانے محفوظ رہتے اور نہ مساجد، گویا حفاظتِ دین اور مقاماتِ مقدسہ کا دفاع جہاد وقتال ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔۔۔۔ دوسری یہ کہ جب دینِ اسلام اور مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کا وقت آجائے تو پھر مسلمان طاقت واستعداد کا انتظار نہ کرے بلکہ اللہ کی قدرت اور اس کے بھروسہ پر میدانِ عمل میں اتر آئے۔ خدا تعالیٰ اس کی مدد کریں گے۔

اور حقیقت یہی ہے کہ اگر آج ان مٹھی بھر مجاہدین نے دشمنانِ اسلام کی متحدہ قوت کا راستہ نہ روک رکھا ہوتا تو نہ ہماری مساجد محفوظ

ہوتیں نہ نمازیں۔۔۔نہ ہماری تعلیم محفوظ ہوتی اور نہ بچی کچھی تہذیب۔۔۔۔نہ تعلیمی درسگاہیں محفوظ ہوتیں، اور نہ دعوتی مراکز۔۔۔نہ تبلیغ محفوظ ہوتی اور نہ دعوت۔۔۔آج اگر ہمارا یہ سب کچھ کسی حد تک محفوظ ہے تو انہی مجاہدین کی قربانیوں کے صدقہ۔۔لہٰذا میں نہیں سمجھتا کہ قرآنی ونبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم علوم اور صحابہ کرامؓ کی تاریخ سے واقفیت وآگاہی رکھنے والا کوئی بھی ذی علم وہوشمند شخص کسی بھی ایسے دور کے اندر، جسمیں اشاعت دین کیلئے دعوت وتبلیغ کی ضرورت محسوس کرتا ہو، اسمیں حفاظتِ دین کیلئے جہاد وقتال کی اہمیت وضرورت سے انکار کرسکے۔

چوتھا الزام: ''صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرامؓ کمزور تھے اس لئے ان کو پسپائی اختیار کرنا پڑی''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

میں انتہائی ادب ومعذرت کے ساتھ یہ سوال کرنا چاہوں گا کہ اس مقام پر کمزوری سے آپکی مراد کیا ہے؟

(۱) اگر اس مقام پر کمزوری سے افرادی کمی مراد ہے تو یقینا غلط ہے۔کیونکہ حدیبیہ کے شرکاء (۱۴ یا ۱۵ سو) کی تعداد کسی صورت بھی بدر (۳۱۳) اور احد (۷۰۰) کی نفری س کم نہ تھی۔گویا وہ افرادی نفری کی وجہ سے کمزور نہ تھے۔

(۲) اگر اس کمزوری سے سامان حرب وضرب کی کمی مراد ہے تو بھی ناقابل تسلیم ہے کیونکہ مسلمانوں کے پاس اس وقت جنگی ہتھیار یقینا بدر واحد سے زیادہ تھے۔اگر افرادی نفری یا جنگی ہتھیاروں کی کمی کے حوالہ سے کمزوری موجود ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان صحابہؓ سے موت کی بیعت نہ لیتے۔کیونکہ یہ بیعت ہی جہاد وقتال کے لئے تھی۔

(۳) نرسری اور پرائمری سطح کے عام تبلیغی حضرات (جنکی ذہنی تربیت خدا معلوم کہاں ہوئی ہے؟) سے جب یہ سننے کو ملتا ہے کہ اس وقت چونکہ امت کمزور ہے لہٰذا اس پر حکم جہاد لاگو نہیں ہوتا۔اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا۔۔ارادی اعتبار سے امت کمزور ہے؟ جبکہ مسلمانوں کی تعداد اس وقت ایک ارب چالیس کروڑ سے متجاوز ہے، تو جواب ملتا ہے نہیں۔۔۔۔پوچھا جاتا ہے کہ کیا وہ جنگی اسلحہ کی وجہ سے کمزور ہے؟ حالانکہ ایٹمی ہتھیاروں سمیت ہر قسم کا جدید ترین اسلحہ ان کے پاس موجود ہے۔تو جواب ملتا ہے نہیں۔۔۔۔پوچھا جاتا ہے مالی وسائل کی وجہ سے کمزور ہے، حالانکہ معدنیات کے سب سے قیمتی ذخائر مسلمانوں کے پاس ہیں تو جواب ملتا ہے نہیں۔۔۔۔۔ان کا کہنا یہ ہے کہ اس وقت امت ایمان کی وجہ سے کمزور ہے۔ظاہر ہے کہ کمزوری کا یہ مفہوم بھی اصحاب حدیبیہؓ پر لاگو نہیں کیا جاسکتا۔کہ العیاذ باللہ تعالیٰ ان کے ایمان کمزور تھے۔یہ تو تصور بھی کفر ہے۔

سوال یہ ہے کہ اصحاب حدیبیہؓ میں وہ کونسی کمزوری تھی جسکی وجہ سے انہیں پسپائی اختیار کرنا پڑی؟ اگر حکمت ومصلحت کو آپ کمزوری کا نام دیتے ہیں تو ایک الگ بات ہے۔۔۔اور بالغرض حدیبیہ کی پسپائی کو کمزوری تسلیم کرلیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُحد اور حُنین کی شکست بھی کسی کمزوری کا نتیجہ تھی؟ اگر کمزوری تھی تو میدانِ جنگ میں لایا ہی کیوں گیا؟

پانچواں الزام: ''گذشتہ دوصدیوں سے اکابرینِ ہند کا طرز غلط رہا۔جبکہ مولانا الیاسؒ کا طرز منجانب اللہ الہامی تھا''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

ہماری گذارش یہ ہے کہ آپ کو اکابر علماء کی خدمات کا موازنہ کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ کیا دوسروں کی خدمات سے

انحراف کئے بغیر حضرات امام التبلیغ کی خدمات کا تذکرہ ممکن نہ تھا؟ دیو بندی حلقہ کا وہ کون بد بخت ہے جس نے امام التبلیغ کی خدمات سے انکار کیا ہو۔جس کے بدلہ میں آپ کو یہ طرز اختیار کرنا پڑا؟ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ طرز تبلیغی دارئرہ تعلیم میں سے کونسا نمبر ہے؟ کیا اپنے اپنے میدان وشعبہ میں اکاب کی خدمات کے اعتاف میں آپ کوئی ہتک محسوس کرتے ہیں؟

چھٹاالزام: ''یزید کے ہاتھ پر ۷۰ صحابہؓ نے بیعت کی کیونکہ وہ کمزور تھے۔اور کمزور کے احکام جدا ہوتے ہیں''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

انتہائی حیرت انگیز رویہ ہے خدا معلوم آپ کیوں صحابہ کرامؓ کو کمزور ثابت کرنے پر تلے بیٹھے ہیں؟ کیا صحابہ کرامؓ کی حکمت و اجتہاد کو کمزوری کا نام دینا ضروری ہے؟ جب یزید کا کفر ثابت نہیں اور فسق مسلّم ہے تو فاسق کی بیعت پر اجتہادی اختلاف ہو گیا بعض صحابہؓ انکاری تھے۔اور بعض فتنہ اور فساد سے بچنے کیلئے اس کو روا رکھتے تھے معلوم نہیں اسمیں کمزوری کا کونسا پہلو نکلتا ہے؟ میں اس وقت اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ کتنے صحابہؓ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور واقعہ کربلا کے بعد کتنے صحابہؓ نے یہ بیعت توڑی جس کی وجہ سے واقعات حرّہ پیش آئے۔میں اس وقت آپ کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانی چاہتا ہوں کہ آپ کے نزدیک یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے صحابہؓ کمزور تھے۔کیا آپ کے اس مئوقف سے اہل تشیع کے عقیدہ تقیہ کی تائید تو نہیں ہو رہی؟ کیونکہ وہ بھی کمزوری کے وقت کا حکم جدا مانتے ہیں۔اور اس وقت تقیہ کر لینے کے قائل ہیں۔

ساتواں الزام: ''تمام صحابہ کرامؓ کی تکفیر کر دینے سے بھی آدمی کافر نہیں ہوتا۔''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

جمہور ائمہ اہل سنت کی اجماعی تحقیق کے خلاف ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور دیگر ائمہ اہل سنت نے تکفیرِ روافض کے اسباب میں ایک سبب ''سبّ صحابہؓ'' بھی لکھا ہے۔جب ائمہ اہل سنت کے نزدیک سبّ صحابہؓ بھی کفر ہے تو تکفیر صحابہؓ کیونکر کفر نہ ہوگا؟ اور پھر ہمارے آئمہ کے نزدیک تو سیدنا امام ابوبکر صدیقؓ کی صحابیت کا انکار بھی کفر ہے۔کیونکہ وہ قرآن کی نصِ قطعی سے ثابت ہے، چہ جائیکہ ان کی تکفیر کفر نہ قرار پائے۔بعض ذرائع سے شنید ہے کہ آپ اپنے اسی مئوقف سے فخر اہل سنت حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ کے سامنے رجوع کر چکے ہیں۔اگر واقعی ایسا ہے تو ہم اسے آپکی عالی ظرفی تسلیم کرتے ہیں۔اُمید ہے کہ آپ دیگر مسائل میں بھی رجوع کر کے اعلی ظرفی کا ثبوت دیں گے۔

آٹھواں الزام: ''صحابہ کرامؓ کو نہ ہم معصوم مانتے ہیں اور نہ محفوظ، کیونکہ دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے صحابہ کرامؓ کو محفوظ ماننا شیعوں کے رد میں حد سے تجاوز کرنا ہے''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

یہ گزشتہ مئوقف ہی کا حصہ ہے۔اور اہل سنت کے اجتماعی عقیدہ کے خلاف ہے۔میں اس مسئلہ کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا صرف

یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ۔۔۔معصوم اور محفوظ ۔۔ دونوں شرعی اصطلاحات ہیں۔ اور متواتر ومتوارث طرق سے ثابت ہیں۔ شرعی اصطاحات کے حدود اور معانی متعین کرنا صرف علماءِ اصول کا حق ہے۔ جب علماء اصول ان دونوں اصطاحات کے حدود و معانی متعین کر کے ان کے درمیان فرق بیان کر چکے ہیں۔ اور اسی فرق کے حوالہ سے انبیاء کرامؑ کو معصوم اور صحابہ کرامؓ کو بالاجماع محفوظ قرار دے چکے ہیں۔ تو کسی خود ساختہ واختراعی معنیٰ ومفہوم کی بناء پر ایک متواتر ومتوارث شرعی اصطاح کا انکار کرنا اور اسے مذہبی تعصب کے نتیجہ میں حدود شرعیہ سے تجاوز قرار دینا کسی صورت صراط مستقیم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

نواں الزام: ''حضرت علیؓ حق پر تھے۔ حضرت معاویہؓ خطاء پر، اجتہادی کے لاحقے سابقے ملانے کی ضرورت نہیں۔ صحابہ کرامؓ کی خطار میں اجتہادی کا لفظ تاویل کا راستہ اختیار کرنا ہے۔ کمزور راستہ ہے۔ تاویل نہ کرو مانو کہ ان سے خطاء ہوئی ہے۔''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

بڑے ادب سے عرض کروں گا کہ آپ کا یہ مئوقف شعوری یا غیر شعوری طور پر سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مئوقف سے کلی مطابقت رکھتا ہے۔ مشاجرات صحابہؓ کے باب میں

(۱) جمہور ائمہ اہل سنت حضرات امام علیؓ کو حق پر اور حضرا میر معاویہؓ کو خطاء اجتہادی پر مانتے ہیں۔

(۲) بعض اکابر کے نزدیک دونوں حق پر ہیں۔ البتہ حضرت علیؓ اقرب الی الحق ہیں۔ یہ دونوں مئوقف دراصل علماء اصول کے اس اختلاف پر مبنی ہیں جسمیں بعض کے نزدیک ''االمجتھد یخطئی و یصیب'' کا اصول بنیاد ہے اور بعض کے نزدیک ''کل مجتھد مصیب'' کا

(۳) سید لعل شاہ بخاری اپنی کتاب استخلاف میں حضرت علیؓ کو حق پر اور حضرت معاویہؓ کو خطاء عنادی پر قرار دیتے ہیں۔

(۴) سید ابوالاعلی مودودی حضرت علیؓ کو حق پر اور حضرت معاویہؓ کو خطاء محض پر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ میں حضرت معاویہؓ کی غلطی کو محض غلطی سمجھتا ہوں۔ اسے اجتہادی غلطی ماننے میں مجھے سخت تامل ہے۔ (خلافت وملوکیت ص ۳۴۳)

یہ محض غلطی تھی۔ اس کو اجتہادی غلطی قرار دینے کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ (ایضاً ص ۳۴۴)

محترم! اپنے اور مودودی صاحب کے مئوقف میں کسی جگہ کوئی فرق محسوس ہوتا ہو تو از راہ کرم نشاندہی فرما دیجئے۔ آپکو بھی اجتہادی کا لفظ اس مقام پر تاویل اور کمزور راستہ نظر آتا ہے۔ اور مودودی صاحب کو بھی اسمیں سخت تامل ہے جسکی انہیں کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اس مشترکہ مئوقف کی بناء پر آپکے مودودی ہونے کا جو تاثر ابھر رہا ہے۔ اسے آخر کیسے غلط قرار دیا جا سکے گا؟

دسواں الزام: ''صحابہ کرامؓ کا دنیا کا طلب گار ہونا قرآن سے ثابت ہے۔''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

آیات غزوہ احد کے ضمن میں جس جملہ سے آپ استدلال فرما رہے ہیں اسمیں چند صحابہؓ کے اپنی ڈیوٹی (پہاڑی درہ پر پہرہ) چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور غنیمت وہ مال ہے جسے فرمان نبوی ﷺ میں کائنات کا سب سے پاکیزہ مال قرار

دیا گیا ہے۔ ان صحابہؓ نے حکم نبوی ﷺ کا انتظار کئے بغیر میدان جنگ سے کفار کی پسپائی دیکھ کر اپنی ڈیوٹی چھوڑ دی جوان کی خطاء اجتہادی تھی۔ ان کی اسی خطاءِ اجتہادی کو جمع غنیمت کی کاوش کے مقابلہ میں طلب دنیا قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ان کی طلب غنیمت یا جمع غنیمت میں قباحت نہ تھی۔ صرف انکی ڈیوٹی کے مقابلہ میں یہ عمل کمزور قرار دیا گیا ہے۔ اس کو مطلق طلبِ دنیا قرار دینا ہرگز اسلامی تصور نہ ہوگا۔ اُمید ہے اس پہلو کی طرف آپ ضرور توجہ دیں گے۔

گیارھواں الزام: ''حضرت سعدؓ بن عبادہ نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر بیعت نہیں کی''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

ہمارے خیال میں بے وزن ہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ کے بارہ میں دونوں قسم کی روایات موجود ہیں۔ اگر بعض مئورخین نے ان کے بیعت نہ کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ تو حضرت امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تاریخ الامم والملوک جلد دوم صفحہ ۴۵۸ مترجم میں ان کے بیعت کر لینے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ گویا ان کے بیعت کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ ہی اختلافی ہے۔

بارھواں الزام: ''حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد بیعت کی''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

سراسر بے بنیاد ہے۔ کیونکہ حضرت امام علی المرتضیٰؓ کی جس چھ ماہ بعد بیعت کرنے کی روایت سے آپ استدلال کر رہے ہیں۔ جمہور ائمہ اہل سنت کے نزدیک اسمیں تجدیدِ بیعت مراد ہے۔ بیعت تو وہ ابتداء میں ہی کر چکے تھے۔ لیکن اگر بالغرض آپ کے مذکورہ مئوقف کو درست تسلیم کر لیا جائے تو حضرت علیؓ کے بارہ میں دو تصور سامنے آتے ہیں۔

پہلا یہ کہ وہ خلافتِ صدیقیؓ کو قبول کرتے تھے۔ لیکن حضرت سیدۃ فاطمہؓ الزہراؓ کے خوف یا ان کی طبیعت خاطر کی وجہ سے اس کا اظہار نہ کر سکے۔ ان کی وفات کے بعد بیعت کر لی۔ اس صورت میں الزام حضرت فاطمہؓ پر آتا ہے کہ وہ خلافتِ صدیقیؓ کو برحق نہ مانتی تھیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

دوسرا یہ کہ حضرت علیؓ خود ہی خلافتِ صدیقیؓ کو قبول نہ کرتے تھے۔ سیدہ فاطمہؓ کی حیات مبارکہ تک ان کو اطمینان تھا کہ مجھے کوئی خطرہ نہیں ان کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے خوف وتقیہ کی بناء پر بیعت کر لی۔ یہ روافض کا نقطہ نظر ہے۔ اب اس بات کی وضاحت تو آپ ہی کر سکتے ہیں کہ چھ ماہ بعد بیعت کے نظریہ کے پیچھے کونسا تصور کارفرما ہے، پہلا یا دوسرا؟

تیرھواں الزام: ''امام حسنؓ نے فرمایا کہ نبوت اور خلافت دونوں ایک خاندان میں جمع نہیں ہوسکتیں''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

اس روایت اور اسکی صحت کا ثبوت چاہیئے۔ کیونکہ یہ قرآنی وتاریخی روایات کے قطعاً منافی ہے۔ مثلاً۔۔۔ حضرت یوسفؑ کے پاس نبوت بھی تھی، خلافت بھی۔۔۔ حضرت داؤدؑ کے پاس نبوت بھی تھی خلافت بھی۔۔۔ حضرت سلیمانؑ کے پاس نبوت بھی تھی اور خلافت

بھی۔۔۔حضرت عیسیٰؑ کے پاس نزول کے بعد نبوت بھی ہوگی خلافت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان قریش کے پاس نبوت بھی تھی اور خلافتِ راشدہ کے بعد بھی صدیوں تک خلافت بھی رہی۔

چودھواں الزام: ''مودودی صاحب مرحوم نیک آدمی تھے۔اچھے عالم تھے ان کی بڑی خدمات ہیں ان سے چند مقامات پر فاش غلطیاں ہوئیں (معترضہ: ہم نے خط کا اصل مندرجہ نقل کر دیا ورنہ مولوی طارق جمیل نے یہ کہا ہے کہ اُن سے بعض مقامات پر'' لغزش'' ہوئی ہے۔ حضرت تھانوی کی تحریریں اتنی پیچیدہ تھیں کہ وہ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی حتیٰ کہ مدرسے کے طلبہ بھی اُسکو نہیں سمجھ سکتے پہلے شخص ہیں مودودی صاحب جنہوں نے دین کو آسان فہم انداز میں سمجھایا اور لوگ اُسکو سمجھے۔پھر مکرر سہ کرر کہا۔۔اُنکی بڑی خدمات ہیں۔۔۔اُنکی بڑی خدمات ہیں الخ۔ ناشر)۔ان کی حسنات ان کی سیئات سے زیادہ ہیں۔''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

ہمیں اس بات پر شدید حیرت ہے کہ اپنے طلبہ کی درسی کلاس میں اس شخص کی تعریف کے مقاصد کیا تھے؟ جسے تمام اکابرین دیوبند ضال اور مضل قرار دے چکے ہیں۔ہمیں آپ کے اس مئوقف سے اتفاق نہیں کہ مودودی صاحب سے صرف چند مقامات پر فاش غلطیاں ہوئی ہیں۔کیونکہ ان کے لٹریچر سے ان کی بیسیوں گمراہ کن عبارات پر گرفت کی گئی ہے۔اگر بالغرض آپ کی بات ہی درست مان لی جائے کہ فاش غلطیاں چند ہی ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس قدر سنگین ہیں کیونکہ پیشاب کا ایک قطرہ دودھ کی پوری بالٹی کو برباد کر دینے کیلئے کافی ہوتا ہے۔آپکی نظر عقیدت صرف مودودی صاحب کی حسنات پر ہے۔کبھی ان کے گمراہ کن نظریات کو بھی ایک نظر دیکھنے کی زحمت گوارا کر لیجئے۔۔۔ہمارا آپ سے فی الوقت سوال یہ ہے کہ گر مودودی صاحب کی یہ تعریف آپ نے منصورہ یا کسی مشترکہ تبلیغی اجتماع میں کی ہوتی تو اسے آپکی تبلیغی مجبوری یا دعوتی ضرورت قرار دیکر نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔لیکن اپنے مستقل حلقہ درس کے اندر آدمی وہی کچھ بیان کرتا ہے جو اسکی حقیقی فکر ہوتی ہے۔جہاں اسکی کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔

پندرھواں الزام: ''سید ابوالاعلیٰ مودودی حنفی تھے۔اور انہوں نے کبھی غیر مقلد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

آپکا مئوقف سراسر غلط ہے۔مودودی صاحب فکری و نظریاتی طور پر مکمل غیر مقلد تھے۔چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ

''میرے نزدیک صاحب علم آدمی کیلئے تقلید نا جائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے۔'' (رسائل و مسائل حصہ اول ص ۲۴۴ طبع دوم)

مودودی صاحب کسی بھی صاحب علم آدمی کیلئے تقلید کو نا جائز، گناہ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز (جو کفر ہی ہوسکتا ہے) قرار دے رہے ہیں۔اور آپ انہیں اچھے عالم تسلیم کرتے ہیں۔یعنی وہ تو آپ کے لیئے بھی تقلید کے دروازے بند کر رہے ہیں۔ چہ جائیکہ آپ انہیں مقلد و حنفی ثابت کر سکیں۔۔۔لیکن یہاں یہ سوال اپنے مقام پر بدستور موجود ہے کہ آپ کو آخر اپنے حلقہ درس میں مودودی صاحب کی صفائی دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

سولہواں الزام: ''فتنہ مودودیت شیخ الحدیث زکریاؒ کی کتاب نہیں۔ ان کا ایک مکتوب ہے۔ جو ان کے نواسہ نے کاروباری نکتہ نظر سے شائع کر دیا۔ اور نام بھی خود ہی تجویز کیا''

یہ درست ہے کہ فتنہ مودودیت حضرت شیخ الحدیث زکریاؒ مہاجر مدنی کا مکتوب ہے لیکن یہ ہرگز درست نہیں کہ وہ انکی اجازت کے بغیر صرف کاروباری نقطہ نظر سے شائع کیا گیا یہ مکتوب ۱۳۹۵ھ ۱۹۷۵ء میں حضرت شیخ الحدیث کی وفات (۲، شعبان ۱۴۰۲ھ بمطابق ۲۵ مئی ۱۹۸۲ء) سے تقریباً ۷، سال قبل شائع ہوا۔ اور دارالعلوم دیوبند و مظاہر العلوم، سہارنپور کے علماء کی مشاورت سے طبع ہوا۔ بلکہ حضرت مولانا مفتی محمود الحسنؒ اور حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ کی تقاریظ کے ساتھ چھپا ہے۔ اور جب شائع ہونے کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ کے پاس پہنچا تو آپ نے اسے پسند کیا بلکہ بعض لوگوں نے جب اس کے نام پر اعتراض کیا تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ فتنہ کو اگر فتنہ کے عنوان سے نہ متعارف کرایا جائے تو کیسے پتہ چلے گا کہ یہ فتنہ ہے؟۔۔۔ لیکن اگر آپ کے مؤقف کو ہی درست تسلیم کر لیا جائے تو ہمارا پہلا سوال یہ ہے کہ آخر آپ کو اپنے حلقہ درس میں اس بحث کی ضرورت کیوں پیش آئی؟۔۔۔ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ نے حضرت شیخ الحدیثؒ کا یہ جو مکتوب دیکھا ہے۔ کیا اس کے پڑھنے کے بعد بھی آپ مودودی صاحب کی حسنات کو ان کی سیئات سے زیادہ قرار دیں گے؟ اور ان کی خدمات کو پھر بھی خراج تحسین پیش کریں گے؟

سترہواں الزام: ''ہمارے اکابر کی تحریریں پیچیدہ تھیں۔ مودودی صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے دین کو عام فہم انداز میں پیش کیا۔ اور لوگوں نے اسے سمجھا''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

جو لوگ آپ کی ان عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کر رہے ہیں کہ آپ تبلیغی جماعت کے اندر مودودی جماعت کے ترجمان ہیں تو انہیں کیسے اس سے روکا جا سکے گا؟ آپ نے اپنے اکابر اور مودودی صاحب کا موازنہ جس انداز سے پیش کیا ہے اس سے آپ کے حلقہ درس کے طلبہ کی کیا تربیت ہوگی؟ کیا شعوری یا غیر شعوری طور پر آپ اپنے حلقہ درس کی مودودیت کی حمایت میں ذہن سازی تو نہیں کر رہے؟ اور آپ کا حلقہ درس غیر محسوس طریقہ سے مودودی نظریات کے کیمپ میں منتقل تو نہیں ہو رہا؟

اٹھارہواں الزام: ''حاجی عبدالوہاب صاحب عجیب انسان ہیں جو سوچ کی بلندی اور وسعتِ فکر اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے آج کل کے سارے حضرتِ مولانا اور علماء اس شخص کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہیں''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

حاجی صاحب زید مجدہم کی عظمت اور انکی وسعتِ فکر سے کون اختلاف کر سکتا ہے؟ لیکن آج کل کے علماء کرام سے ان کے موازنہ کا یہ انداز ہرگز دعوتی و تبلیغی نہیں ہے۔ یہ انداز صرف اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب اپنے مخاطب کے دل کے اندر اپنی پسندیدہ شخصیت کی عظمت بٹھانے اور اس کے علاوہ باقی سب شخصیات کو اس کے دل سے نکالنا مقصود ہو۔ آپ کے اس طرز فکر کا ری ایکشن یہ ہوا کہ ایک

بزرگ مجھے کہنے لگے کہ

''طارق جمیل جس حاجی عبدالوہاب کے گن گا تا ہے وہ کالج کے دور میں ابوالاعلیٰ مودودی کا کلاس فیلو تھا۔''

میں نہیں جانتا کہ اس میں کس حد تک صداقت ہے؟ لیکن آپ جیسے ذمہ دار تبلیغی کی طرف سے جب علماء کرام کی حاجی صاحب کے قدموں کی خاک قرار دیا جائیگا تو کیا اس کا ری ایکشن یہ نہیں ہوگا؟ آپ خود غور کیجئے کہ آپ کس کی جنگ لڑ رہے ہیں؟

انیسواں الزام: ''دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث، شیعہ سارے حق ہیں۔ بریلوی اپنے عقائد کے حوالہ سے اسلام میں داخل ہیں۔ امام احمد رضا کی تحریروں میں (کوئی ایسی بات نہیں جو حدِ کفر تک پہنچائے۔ ناشر) کفر نہیں۔ وہ صرف جذبہ عشق میں بدعت کی حد تک پہنچے''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

آپ خان احمد رضا خان بریلوی اور دیگر بریلوی اکابر کی تحریرات سے واقف نہیں۔ علمِ غیب، حاضر و ناظر اور مختارِ کل وغیرہ عقائد میں انکی توجہات وتوضیحات شرک کی حدوں کو چھو رہی ہیں۔ اگر چہ تمام بریلویوں کے کفر پر فتوی دینے سے علماء دیوبند نے احتیاط برتا ہے۔ لیکن وہ بریلوی علماء جو انبیاء کرامؑ واولیاءؒ عظام کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر مانتے ہیں انہیں کیونکر مشرک قرار نہیں دیا جاسکتا؟ اگر اس بارہ میں آپ کو حضرت شیخ مدظلہ پر اعتماد نہ ہو تو حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری: کی کتب (ورسائل) ضرور ملاحظہ کر لیجئے۔

بیسواں الزام: ''شیعہ کلمہ میں زیادتی کے قائل نہیں۔ علی ولی اللہ بھی ان کے عامتہ الناس کا اضافہ ہے''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

ہماری گذارش ہے کہ شیعہ کلمہ کو ان کے نصاب دینیات اور اسکی معاون کتب میں ملاحظہ فرمایئے۔ اور علی ولی اللہ بھی ان کی عامتہ الناس کا اضافہ نہیں کراچی سے خیبر تک انکی تمام امام بارگاہوں کی آذان کا حصہ ہے۔ اگر آپ سن سکیں تو؟

اکیسواں الزام: ''حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عقیدہ اجتماعی ہے سب سے پہلے انکار مولانا حسین علیؒ نے کیا''

ایک مدت تک مولانا مفتی نظام الدین شہیدؒ بھی اس غلط فہمی میں مبتلا رہے۔ مگر یکم، ۲ مئی ۲۰۰۴ء کو باغ آزاد کشمیر میں خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس کے موقع پر مجھے فرمایا کہ اس سے پہلے میں واقعی اس مسئلہ کو حضرت مولانا حسین علیؒ کا تفرد خیال کرتا تھا۔ لیکن اب میری غلط فہمی دور ہو چکی ہے۔۔۔ شائد آپ بھی منکرین حیات الانبیاء کے پر پیگنڈہ کا شکار ہیں۔ اگر آپ نے حضرت شیخ مدظلہ کی کتاب تسکین الصدور، توجہ سے مطالعہ کی ہوتی تو کبھی بھی اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے۔ ہمارے حضرت امام المفسرین مولانا حسین علی صاحبؒ کبھی بھی عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر نہیں رہے۔ ہمارے عہد میں سب سے پہلے اس عقیدہ کا انکار سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے کیا ہے۔

بائیسواں الزام: ''منبر پر اختلافی مسائل بیان کرنا مزاج نبوت کے خلاف ہے''

معلوم نہیں اختلافی مسائل سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر آپ کی مراد فروعی مسائل ہیں تو ایسا اختلاف عہد نبوی ﷺ میں موجود ہی نہ تھا۔ اور اگر اصولی و اعتقادی مسائل مراد ہیں تو شرک کی تردید، یہود و نصاریٰ کے عقائدِ باطلانہ کا رد مزاج نبوت کے عین مطابق ہے۔۔۔ منکرین زکوٰۃ، منکرین ختم نبوت اور مرتدین کی برسر منبر مخالفت مزاج صدیقیت کے عین مطابق ہے۔۔۔ اسلاف امت نے ہر دور میں معتزلہ، قدریہ، کرامیہ، روافض، خوارج، قادیانیت، پرویزیت وغیرہ فتنوں کا جو برسرِ منبر رد کیا ہے کیا وہ مزاج نبوت سے بے خبر تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ وقت کے تقاضوں کے تحت اختلافی مسائل بیان کرنا ہی مزاج نبوت کے مطابق ہے۔ لوگوں کو فتنوں سے آگاہ نہ کرنا اور ان کیلئے گمراہی کا راستہ آزاد رکھنا کیسے مزاجِ نبوت کے مطابق ہوسکتا ہے؟

تئیسواں الزام: ''دعوت و تبلیغ کا فریضہ پوری امت کیلئے ہے۔ اسمیں نہ مرد و عورت کی تخصیص ہے اور نہ عالم و جاہل کی''

اسی پر فقیہ العصر حضر مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ کا مستقل رسالہ موجود ہے، اسے ضرور ملاحظہ فرمایئے۔ لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالا ہے کہ جاہل کیا دعوت و تبلیغ کرے گا؟ ہم تو بزرگوں سے یہی سنتے رہے کہ جماعت کے اندر علماء کرام کو دعوت کیلئے اور عام لوگوں کو اصلاح کیلئے بلایا جاتا ہے۔

چوبیسواں الزام: ''ہم چونکہ معیاری مسلمان نہیں اس لئے ہمیں اصلاح کیلئے بنوی ﷺ دور اور خلفاء راشدینؓ اور دور صحابہؓ سے مثال نہیں ملے گی۔ بدر و اُحد و خندق ہمارے لئے دلیل نہیں۔ ہمیں پیچھے جانا پڑے گا۔ اور بنی اسرائیل کے دور سے راستہ لینا ہوگا۔''

یہ الزام اگر درست ہے تو؟

بڑا خوفناک اور بھیانک ہے عجیب تصور ہے کہ معیاری مسلمان بننیء کیلئے بنی اسرائیل سے راستہ لو۔ اور معیاری مسلمان بن کر صحابہؓ خلفاءِ راشدینؓ اور نبوی ﷺ دور سے راستہ لو۔ معیاری مسلمان بننے کیلئے بنی اسرائیل کی دہلیز پر جانے کا مشورہ بہت ہی حیران کن ہے۔ کیا بنی اسرائل معیاری مسلمان تھے؟ اگر وہ معیاری مسلمان نہ تھے تو ہم ان سے راستہ لیکر معیاری مسلمان کیسے بن سکیں گے؟ آپ کے اسی حیرت انگیز فلسفہ پر چند بزرگوں کے جو تبصرے سامنے آئے ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) مولوی طارق جمیل نے جہاد جیسے فریضہ سے جان چھڑانے اور دوسروں کی جان چھڑوانے کیلئے بڑا بہترین راستہ دیدیا ہے۔ کیونکہ اگر نبوی ﷺ دور اور صحابہؓ کے دور سے راہنمائی حاصل کریں گے اور بدر و احد و خندق کو دلیل بنائیں گے تو جہاد و قتال کرنا پڑے گا۔ اس لیئے بہتر ہے بنی اسرائل سے راستہ لو۔ وہ بڑی سہولت کا راستہ دیں گے۔ ''فاذھب انت و ربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون'' (اے موسیٰؑ تم اور تمہارا رب جاؤ اور جہاد کرو ہم یہیں بیٹھے ہیں)

(۲) دوسرے بزرگ کا بنصرہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ قیامت نہیں آئیگی، جب تک میری امت کا ایک طبقہ بنی اسرائیل کے نقش قدم پر نہ چل نکلے۔ مولوی طارق جمیل صاحب اس نبوی ﷺ پیشن گوئی کا راستہ صاف کر رہے ہیں۔ میں ان دونوں

بزرگوں کے تبصرہ پر فی الوقت کوئی رائے قائم نہیں کرنا چاہتا۔صرف آپکی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اپنے فرامین پر لوگوں کے ردعمل کونظرانداز نہ فرمایئے۔

پچیسواں الزام: ''مولانا سرفراز صاحب ہمارے سر کے تاج ہیں۔لیکن انہوں نے ساری عمر منفی پہلو پر لکھا ہے۔منفی پہلو پر لکھتے لکھتے قلم میں شدت آ جاتی ہے۔ ان کی جو کُتب ہیں ان میں بریلویت کا رد، رافضیت کا رد ، غیر مقلدیت کا رد، ۔۔۔ رد،رد،رد،۔۔۔ساری زندگی رد میں گزری، جوآدمی رد کرتا رہتا ہے۔اسکی بات میں شدت آجاتی ہے''

اگر یہ الزام درست ہے تو؟

انتہائی ادب واحترام کے ساتھ چند باتیں عرض کروں گا۔

(۱) حضرت مولانا علامہ عبدالشکور لکھنویؒ نے بھی ساری زندگی رافضیت ،خارجیت ، بریلویت وغیرہ فتنوں کے رد میں گزاری،لیکن حضرت امام التبلیغ نے انہیں ''امام وقت'' کا خطاب دیا۔آپ بتا سکتے ہیں کیوں؟

(۲) حضرت شیخ مدظلہ کی جملہ تصانیف کو ہندوستان اور پاکستان کے جملہ اکابر علماء کی تائید وتصدیق حاصل رہی ۔کیا ایک مولوی طارق جمیل کے چندطنزیہ جملوں سے وہ ختم ہوسکتی ہے؟

(۳) حضرت شیخ مدظلہ کی جن تالیفی و تصنیفی خدمات پر پاکستان کے اکابر علماء نے انہیں ''امام اھلسنت'' کا خطاب دیا مولانا طارق جمیل صاحب ان کا تمسخر اُڑا کر خدا معلوم کس خودفریبی میں مبتلا رہنا چاہتے ہیں؟

(نوٹ) مذکورہ تمام الزامات ہم نے ان مطبوعہ وغیر مطبوعہ مضامین سے نقل کئے ہیں جو ہم تک پہنچے ہیں اوران کے ثبوت کی ذمہ داری انہی پر ہے۔

میں آپ کا کافی وقت لے چکا ہوں۔۔۔مزید وقت نہیں لینا چاہتا،آپ سے درخواست ہے کہ آپ ان الزامات کے بارہ میں تھوڑی سی وضاحت فرمادین کہ۔۔۔ یہ الزامات غلط و بے بنیاد ہیں؟ یا مجمل وادھورے ہیں؟ یا آپ ان سے رجوع فرما چکے ہیں؟۔۔۔ آپ کی تھوڑی سی وضاحت ان گنت لوگوں کوگمراہی سے بچاسکتی ہے۔۔۔ بے شمار افراد کو بدگمانی وتشویش سے نجات دلاسکتی ہے۔۔۔اور ہمارا مقصد بھی مسلک حقہ کے حقیقی افکارونظریات کو بچانے ۔۔۔اور مسلکی افراد کوتشویش و پریشانی سے نکالنے کے سوا کچھ نہیں۔آپ کا تعاون بہت سی مشکلات کا ازالہ کرسکتا ہے۔امید ہے کہ آپ خصوصی اورفوری شفقت فرمائیں گے۔خدا تعالیٰ آپ کوتمام شروروفتن سے محفوظ فرمائے۔آمین یارب العالمین

جملہ اکابرواصاغر کی خدمت میں حضرت شیخ مدظلہ اورناچیز کی طرف سے سلام مسنون عرض کردیں۔اور حضرت شیخ مدظلہ کی صحت و عافیت کیلئے خصوصی دعا کی درخواست بھی کردیں۔

عبدالحق خان بشیر والسلام

(دستخط)

مدرسہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ، محلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ، گجرات

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ ۲۶ اپریل ۲۰۰۹ء